اح م د دال می خوانم
نام آن نامدار مے بینم

مہدی وقت و عیسیٰ دوراں
ہر دو را شہسوار مے بینم

پیشگوئی حضرت نعمت اللہ ولی
سنہ ۵۶۰ ھ

اسمہ احمد

حجۃ اللہ البالغۃ

سورہ صف میں تین مہتم بالشان پیشگوئیاں

تقریر دلپذیر جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر دعوت و تبلیغ

بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۹۳۷ء

پبلشر:- جناب قاضی عبدالرحیم صاحب (بھٹی) قادیان

ملنے کا پتہ:- بشیر احمد بھٹی - (خوشنویس) قادیان پنجاب

فہرست مضامین کتاب اسمہ احمد

دیباچہ

اِسْمُہٗ احمد پر تقریر تیار کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے سری نگر میں دی تھی۔ اور دارالامان پہنچ کر جب میں مسودہ کاتب کو دے چکا۔ تو فاضل اجمیری صاحب نے تحریک کی کہ اس موضوع پر مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے اور انکے رفقاء کی تصانیف کا بھی مطالعہ کر لوں تا ان کے نقطہ نظر سے آگاہی حاصل ہو کر مضمون کو زیادہ واضح کرنے میں مدد ملے۔ چنانچہ وہ کتابیں لائے اور میں نے وہ پڑھیں۔ مجھے افسوس ہوا کہ ان مصنفین میں سے مولوی صاحب موصوف نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی اس رائے پر کہ اسمہٗ احمد کی پیشگوئی سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جرح کرتے ہوئے استہزاء و تمسخر سے بہت کام لیا ہے۔ نیز چیلنج پر بھی بہت زور دیا ہے۔ اگر مولوی صاحب موصوف میری اس تقریر کو اسی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ بغور پڑھینگے جو میں نے اپنے بیان میں ملحوظ رکھی ہے تو میں امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے چیلنج کا صحیح جواب انہیں پالیں گے۔ نیز انہیں یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ کج بحثی سفسطہ اور ہنسی ٹھٹھے کے علاوہ بھی خیالات کے اظہار کرنیکے طریقے ہیں۔

انصار اللہ کی خاطر اس سے پہلے "آسمانی بادشاہت" پر میں نے ایک تقریر کی تھی اور وہ شائع کر دی گئی تھی۔ اور اب اسی سلسلہ میں یہ دوسری تقریر ہے جسے قاضی عبدالرحیم صاحب (بھٹی) محض تبلیغ و اشاعت کی غرض سے اپنے خرچ پر شائع کر رہے ہیں۔ جس میں مادی نفع مقصود نہیں۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ انصار اللہ اسکی اشاعت میں پوری پوری کوشش کرینگے۔ اس مضمون میں نہ صرف یہ کہ پیشگوئی اِسمہٗ احمد من کل الوجوہ واضح کی گئی ہے۔ بلکہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا اعجاز بھی نمایاں کرکے دکھلایا گیا ہے ٭

اللہ تعالیٰ قاضی صاحب موصوف کو بھی اور انصار اللہ کو بھی اپنی رضامندی کی راہوں پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین ٭

زین العابدین ولی اللہ ناظر دعوۃ و تبلیغ سلسلہ عالیہ احمدیہ (۲۳/۱۲/۲۲)

غرض آپ اس اصل کو ہمیشہ یاد رکھیں کہ کلام کے جس حصہ کے متعلق شبہ پیدا ہو تو علاوہ
الفاظ کے معانی تلاش کرنیکے اس کلام کے سیاق وسباق پر نظر ڈالیں۔ ربطِ کلام صحیح مفہوم
کی طرف آپکی رہنمائی کریگا اور غیر مشتبہ طور پر بتلائیگا کہ یہ مفہوم صحیح ہے اور یہ غلط۔ اس ایک
اصل پر آج میں اِسمہٗ احمد کی پیشگوئی کو زیر بحث لاؤنگا ؛

سورۂ صف کی دو آیتوں کے متعلق بعض صحابہؓ اور اکابر مفسرین کی رائے

اِسمہٗ احمد کی پیشگوئی سورۂ صف میں ہے اور یہ
بات تفاسیر کے مطالعہ کرنیوالوں سے مخفی نہیں کہ
اس سورۂ کی ایک دو آیتیں ایسی ہیں جن کے متعلق
بعض صحابہ کرامؓ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ انکا مضمون دو عظیم الشان پیشگوئیوں پر مشتمل ہے
جو اُسوقت پوری ہونگی جب حضرت عیسٰی علیہ السلام دوبارہ آسمان سے نازل ہونگے! اور وہ دو
آیتیں یہ ہیں۔ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ
یعنی مخالفین اسلام اللہ کے اس نور کو بجھانیکی کوشش کرینگے اور وہ اپنی ان کوششوں میں بُری
طرح ناکام ہونگے۔ ایک یہ پیشگوئی ہے اور دوسری پیشگوئی یہ ہے کہ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ
بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔ یعنی حضرت محمد رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کامل ہدایت نامہ اور ساری سچائیاں دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کے
ذریعہ سے دینِ حق کو تمام دیگر ادیان پر غالب کرے اور یہ غلبہ اسے ایک نہ ایک دن ضرور حاصل ہو کر
رہیگا خواہ مشرک بُرا ہی کیوں نہ منائیں ؛

مخالفین اسلام کی انتہائی جدّ وجہد اور انکی ناکامی اور اسلام کے کامل غلبہ کے متعلق
یہ دو پیشگوئیاں ہیں جن کے متعلق صحابہ کرامؓ سے نقل کرتے ہوئے بعض اکابر مفسرین نے اس
رائے کی تائید کی ہے کہ وہ حضرت مسیح کی آمد ثانی اور مہدی کے ظہور کے وقت پوری ہونگی۔
چنانچہ علامہ آلوسی اپنی مشہور تفسیر روح المعانی جزو ثالث میں مذکورہ بالا دو آیتوں کی تفسیر
کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ " وَأَكْثَرُ الْمُفَسِّرِينَ عَلَى الْاِحْتِمَالِ الثَّانِي قَالُوا وَذٰلِكَ عِنْدَ نُزُولِ
عِيسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ لَا يَبْقَى دِينٌ سِوَى الْاِسْلَامِ وَالْجُمْلَةُ بَيَانٌ وَتَقْرِيرٌ لِمَضْمُونِ
الْجُمْلَةِ السَّابِقَةِ لِأَنَّ مَآلَ الْاِتْمَامِ هُوَ الظُّهُورُ " یعنی اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تمام ادیان پر اسلام کو غلبہ دیگا۔ مفسروں نے کہا ہے
کہ یہ موعودہ غلبہ حضرت مسیح کے نازل ہونے پر حاصل ہوگا اور جملہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

مزید تشریح ہے۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ کے مضمون کی۔ ایسا ہی امام فخرالدین رازیؒ یہ بحث اٹھاتے ہوئے کہ ابھی اسلام کو وہ غلبہ حاصل نہیں ہوا جسکا وعدہ ان آیات میں دیا گیا ہے فرماتے ہیں

وَفِی الْجَوَابِ اَنْ اَقُوْلَ رُوِیَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ قَالَ هٰذَا وَعْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بِاَنَّهٗ تَعَالٰی یَجْعَلُ الْاِسْلَامَ غَالِبًا عَلٰی جَمِیْعِ الْاَدْیَانِ وَاِتْمَامُ هٰذَا اِنَّمَا یَحْصُلُ عِنْدَ خُرُوْجِ عِیْسٰی وَقَالَ السُّدِّیُّ ذٰلِكَ عِنْدَ خُرُوْجِ الْمَهْدِیِّ۔ الخ یعنی اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ ایک وعدہ ہے کہ وہ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کریگا اور اس وعدہ کی تکمیل حضرت عیسیٰؑ کی آمد پر ہوگی۔ اور سُدّی کہتے ہیں کہ مہدی کی آمد پر یہ وعدہ پورا ہوگا (تفسیر کبیر جزو رابع زیر آیت محولہ بالا) نیز امام فخرالدین رازیؒ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ پر ایک اور لطیف سوال پیدا کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اتمام وہیں ہوتا ہے جہاں کمی کا احتمال ہو۔ تو اس سے ضمناً یہ پایا جاتا ہے کہ اس نور میں کوئی کمی ہے جسے پورا کیا جائیگا۔ اسکا جواب بھی وہ بایں الفاظ دیتے ہیں۔

فَنَقُوْلُ اِتْمَامُهٗ بِحَسْبِ النُّقْصَانِ فِی الْاَثَرِ وَهُوَ الظُّهُوْرُ فِیْ سَائِرِ الْبِلَادِ مِنَ الْمَشَارِقِ اِلَی الْمَغَارِبِ اِذِ الظُّهُوْرُ لَا یَظْهَرُ اِلَّا بِالْاِظْهَارِ وَهُوَ الْاِتْمَامُ یُؤَیِّدُهٗ قَوْلُهٗ تَعَالٰی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ ذٰلِكَ عِنْدَ نُزُوْلِ عِیْسٰی مِنَ السَّمَآءِ قَالَهٗ مُجَاهِدٌ۔ (جزو ہشتم) یعنی اس اتمام سے مراد یہ ہے کہ تمام ممالک میں اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا۔ اور یہ وعدہ عیسیٰؑ کے نازل ہونیکے وقت پورا ہوگا جیسا کہ ابوہریرہؓ سے مروی ہے اور مجاہد نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

اسی طرح ابوحیانؒ نے اپنی تفسیر بحر محیط میں مذکورہ بالا آیات کی تفسیر میں لکھا ہے وَقَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ وَالْبَاقِرُ وَجَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اِظْهَارُ الدِّیْنِ عِنْدَ نُزُوْلِ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ وَرُجُوْعِ الْاَدْیَانِ کُلِّهَا اِلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ کَاَنَّمَا ذَهَبَتْ هٰذِهِ الْفِرْقَةُ اِلٰی اِظْهَارِهٖ عَلٰی اَتَمِّ وُجُوْهِهٖ حَتّٰی لَا یَبْقٰی مَعَهٗ دِیْنٌ اٰخَرُ (جزو پنجم) یعنی ابوہریرہؓ اور باقرؒ اور جابر بن عبد اللہؓ نے کہا ہے دین کا غلبہ عیسیٰ ابن مریمؑ کے نزول کیوقت ہوگا۔ اسوقت تمام دین اسلام کی طرف رجوع کریں گے گویا اس جماعت کا یہ خیال ہے کہ کامل غلبہ من کُلِّ الوجوہ حاصل ہوگا۔ یہانتک کہ کوئی دوسرا دین باقی نہ رہیگا۔

بعض صحابہؓ اور مفسرین کی یہ رائے کہ مذکورہ بالا دو آیتیں دو عظیم الشان پیشگوئیاں

ہیں جن کا ظہور حضرت عیسیٰؑ کی آمد ثانی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے خالی از صداقت نہیں کیونکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو سورۃ صف کی تمام کی تمام آیات شروع سے لیکر آخر تک آیندہ زمانہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اس میں نہ صرف ایک یا دو بلکہ کئی پیشگوئیاں ہیں جنکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے زمانہ کے ساتھ براہ راست کوئی تعلق نہیں۔ اور اگر یہ امر فی الواقعہ ثابت ہو جائے کہ یہ ساری سورۃ آیندہ زمانہ کی پیشگوئیوں پر مشتمل ہے اور یہ کہ بعض انمیں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ پر کسی دُور کے تعلق کی بناء پر چسپاں نہیں ہو سکتیں تو اِسمہٗ احمد کی اس پیشگوئی کا یہ پہلو کہ آیا اس سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی خود بخود حل ہو جائیگا۔ اس لئے میں اس سورۃ کی ایک ایک آیت لیکر اسکا مفہوم اور اسکی تطبیق کی صورتیں علیحدہ علیحدہ رکھتا جاتا ہوں۔ اور قارئین سے ہی اس امر کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ آیا یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے زمانہ اور حالات پر چسپاں ہوتی ہیں یا کسی مابعد کے زمانہ اور حالات پر؟ سب سے پہلے یہ سورۃ بسم اللہ کے بعد اس آیت سے شروع ہوتی ہے :۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ سے مراد زمانہ فترت ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح انہوں نے بھی کی جو آسمانوں میں ہیں اور انہوں نے بھی کی جو اس زمین میں ہیں اور وہ عزیز (اپنی صفات میں غالب) اور حکیم (مخفی سے مخفی تدابیر سے کام لینے والا) ہے ؛

سَبَّحَ ماضی کا صیغہ ہے اور اسکے یہ معنے ہیں کہ گزشتہ زمانہ میں مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی یعنی یہ تسبیح کسی گزشتہ زمانہ میں ہوئی اور پھر بند ہو گئی اور اس تسبیح کا دَور ختم ہو گیا۔ سَبَّحَ ماضی کا صیغہ ہے اور اس سے ضمناً یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ ایک زمانہ تک تسبیح ہو کر پھر وہ ختم ہو گئی۔ قرآن مجید میں تسبیح الٰہی کا ذکر کم و بیش چھیاسی ۸۶ دفعہ آیا ہے اور ہر جگہ مضارع یا امر کے صیغہ کیساتھ اسکا ذکر ہوا ہے اور قرآن مجید میں اس حقیقت کا بار بار اظہار کیا گیا ہے کہ (وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ) ہر شے ہر آن اور ہر لحظہ میں اور ہر حالت اور ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے۔ تسبیح کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ پس یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ قرآن مجید کا یہ مُسلمہ امر ہے کہ ہر آن میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح آسمانوں میں بھی اور زمینوں میں بھی ہو رہی ہے۔ اور اسنے بیسیوں جگہ يُسَبِّحُ کہہ کر (جو کہ مضارع کا صیغہ ہے) اور جیسے

تو وہ حال کے معنے دیتا ہی مستقبل کے بھی معنی دیتا ہی) اس حقیقت کو آشکار کیا ہی کہ اللہ کی تسبیح ہر وقت ہوتی ہے اور ہمیشہ ہوتی رہیگی تو پھر اسنے کیوں اپنے متعارف اور مقررہ اسلوب بیان کو چھوڑ کر سورۃ صف کی پہلی آیت میں ماضی کا لفظ سَبَّحَ استعمال کیا ہی۔ اس سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہی کہ گویا دنیا پر کوئی زمانہ ایسا بھی آتا ہی کہ جسمیں تسبیح ختم ہو جاتی ہے۔ بلا وجہ اسلوب بیان تبدیل کر دینا قطعاً معقول متصور نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً اس لیے کہ ہمارا دعویٰ اور کامل یقین ہے کہ یہ کلام قدوس اور حکیم خدا کا کلام ہی۔ اسکا ایک ایک لفظ اور اسمیں ادنیٰ سا بھی لفظی تصرف با معنی اور با موقعہ ہوا ہے۔ یہاں یہ ایک سوال ہی اور اس سوال کا حل ہمیں خود قرآن مجید سے ہی ڈھونڈنا چاہیئے کیونکہ زید و بکر کی قیاس آرائیاں اس سوال کے حل میں تسلی بخش صورت پیدا نہیں کر سکتیں جبتک کہ قرآن مجید خود اسکی وضاحت نہ کرے کہ زمین اور آسمان کی یہ موقوف ہو جانیوالی تسبیح کس نوعیت کی ہی اور وہ کن حالات میں بند ہو جاتی ہی؟ نیز یہ کہ جب وہ بند ہو جائے تو اسکے دوبارہ اجراء کے متعلق کیا سُنّت اللہ ہے؟

سَبَّحَ کا لفظ قرآن مجید میں صرف تین بار استعمال ہوا ہے۔ ایک اس سورۃ میں جسکا نام سورۃ صف ہی اور دوسرے سورۃ حشر میں جو ہو بہو اسی آیت سے شروع ہوتی ہے وہاں بھی اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے کہ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اور تیسرے سورۃ حدید میں۔ اور ان تینوں سورتوں میں اس آیت کو بطور تمہید اور عنوان کے قائم کر کے سورۃ کے باقی مضمون کو اسی تمہید اور عنوان کے ماتحت بیان کرتا ہے۔ چنانچہ سورۃ حشر میں سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کہکر معاً اہلکتاب کا ذکر بایں الفاظ کرتا ہی هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ...... ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ یعنی باوجود اہلکتاب ہونیکے انہوں نے کفر اختیار کیا جسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی سخت سزا نے انہیں آگھیرا۔ یہانتک کہ انکی یہ حالت ہوگئی کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں سے خانہ بربادی کر رہے ہیں اور اپنے آپکو دیکھنے والوں کے لئے عبرت کا نمونہ بنا دیا ہے۔ یہ بربادی انکی اس لئے ہوئی کہ انہوں نے اللہ اور اسکے احکام کی خلاف ورزی کی اور جو بھی اللہ کی نافرمانی کرتا ہی اسے ایسی

ہوئے اللہ تعالیٰ اسی سورۃ میں اہل کتاب کے بگڑنے اور سنگدل ہونیکا ذکر کرنے کے بعد اعلان فرماتا ہے
اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ جان لو کہ اب
اللہ تو اس زمین کو اسکے مردہ ہو جانیکے بعد پھر زندہ کریگا! اور اس سورۃ کے آخری رکوع میں سلسلہ نبوت
جو کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام سے شروع ہوا تھا حضرت عیسےٰؑ پر اس سلسلہ کے
ختم ہونے اور عیسائیوں کے بگڑنے اور انکی بدعہدی کا ذکر کرنیکے بعد فرماتا ہی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ
لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ
وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ ان آیات کا خلاصہ یہ ہی
کہ اہل کتاب کی جگہ پر ایک نئی قوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضلوں سے مخصوص کرلیا ہی! اور وہ
اپنے نور سے انکی رہنمائی فرمائیگا جس سے موقوف شدہ تسبیح دوبارہ دنیا میں جاری ہوگی۔ اور
رات کے بعد دن چڑھیگا۔ غرض سورۃ حدید جو سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سی شروع ہوتی
ہے اسکا بھی سارا مضمون یہی ہی کہ ایک زمانہ فترت ہی جس کا باعث اہل کتاب کی بداعمالیاں ہیں
اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سی اجرائے نبوۃ کا دور نئے سرے سی آغاز ہونیوالا ہی؛
پیشتر اسکے کہ میں سورۃ حدید اور سورۃ حشر کے مضامین کی روشنی میں سورۂ صف کی آیات

تسبیح کے ختم ہونیمیں زمین و آسمان کے اشتراک کی ماہیت،

کی تشریح آپکے سامنے رکھوں یہاں ضمناً ایک شبہ کا ازالہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ آسمان کو زمین کی تسبیح کے موقوف ہونیمیں کیوں شریک کیا گیا ہی؟ قرآن مجید نے
آسمان کو ذَاتِ الرَّجْعِ اور زمین کو ذَاتِ الصَّدْعِ قرار دیا ہے! ان میں سے ایک اثر انداز ہے تو دوسرا
اثر پذیر۔ پھر ایک دوسری جگہ زمین و آسمان کو اپنے اپنے افعال و نتائج کے لحاظ سے وہی حیثیت دی
ہی جو زوجین یعنی نر و مادہ کو ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وَالسَّمَاۗءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ وَالْاَرْضَ
فَرَشْنٰهَا[1] فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (ذاریات ع ۳) ایک
دوسری جگہ فرماتا ہے۔ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا
مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (انبیاء ع ۳) یعنی کیا یہ منکر دیکھتے نہیں کہ زمین و آسمان دونو
بند تھے اور ہم نے انکو کھولدیا؟ اور ہم نے آسمان کے پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا۔ کیا وہ نہیں مانینگے؟
آسمان کا امساک اور زمین کی خشک سالی یہ ایسے دو نظارے ہیں جو بیک وقت لازم و ملزوم

[1] لفظ فَرَشْنَا اختیار کرکے زمین کے ازدواجی تعلق اور اسکی انفعالی حالت کیطرف لطیف اشارہ کیا ہے۔ منہ

کیطرح واقع ہیں۔ اور جو تلازم آسمان و زمین کے افعال کے درمیان ہو اسی کی بناء پر تسبیح کی موقوف ہوتے یا جاری کئے جانے میں ان دونو کو ایک دوسرے کیساتھ شریک کہا ہے۔ چنانچہ سورۃ حشر کے شروع میں سَبَّحَ کہہ کر جیسے انقطاعِ تسبیح میں زمین و آسمان کو شریک کیا ہے ویسے ہی اس سورۃ کے آخر میں یُسَبِّحُ کہہ کر تسبیح کے جاری کئے جانے میں ان دونو کو شریک کہا ہے ؛

اب آپ ایک طرف قرآن شریف کے اس اسلوب بیان کو سامنے رکھیں جو سورۃ حدید اور سورۃ حشر میں اختیار کیا گیا ہے۔ اور دوسری طرف سورۃ صف کے مضمون پر غور کریں تو یہ امر اور بھی زیادہ واضح اور حقیقتِ برہنہ کی طرح آشکار ہو جائیگا کیونکہ اس سورۃ میں بھی کسی ایسے زمانہ کا ذکر ہی جسمیں تسبیح الٰہی اپنی انتہائی حالت میں منقطع ہوگی۔ اور وہ نہایت ہی شدید ضلالت کا زمانہ ہوگا جس میں رحمتِ الٰہی نئے سرے سے اپنی وحی کی تجلیات کا سلسلہ شروع کریگی ؛

پیشتر اسکے کہ میں اس اجمال کی وضاحت کروں ابھی سے ایک بڑے فرق کو بیان کردینا ضروری سمجھتا ہوں۔ جو سورۂ حشر، سورۂ حدید اور سورۂ صف کے مضامین کے درمیان ہے۔ اور وہ فرق یہ ہی کہ سورۃ حدید اور سورۃ حشر میں اہلکتاب کے بگڑنے اور برباد ہونے اور مسلمانوں کو انکا جانشین بنائے جانیکا ذکر ہی مگر سورۂ صف میں مسلمانوں کے بگڑنے اور آکی دوبارہ اصلاح کا ذکر ہی۔ اس سورۃ کا بھی خلاصہ یہ ہے۔ اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سورۂ صف کو سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ سے شروع کرنیکے معاً بعد مسلمانوں کو جو مومن کہلاتے ہیں مخاطب کرتا اور فرماتا ہے :۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا

سورۂ صف کا عنوان انتہائی ضلالت کے زمانہ پر دلالت کرتا ہی

عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ یعنی اے وہ جو ایماندار ہو تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ اللہ تعالےٰ کو یہ بات نہایت ہی ناپسند ہی کہ تم جو بات کہتے ہو وہ کرتے نہیں۔ ان دو آیتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ میں جس زمانہ فترت کا ذکر ہی وہ انتہائی ضلالت اور فسق و فجور کا زمانہ ہوگا۔ اُس زمانہ کے کفار یا مشرکین یا دیگر اقوام کی روحانی حالت کا اندازہ اِس سی لگایا جا سکتا ہی کہ مومن جن سے یہ توقع ہو سکتی تھی کہ وہ کچھ نہ کچھ اپنے عہد کی پاسداری کرینگے انکی حالت یہانتک پہنچ جائیگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس خطاب کے مصداق ہونگے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ یعنی کہیں گے اور۔ کرینگے کچھ اور۔ اور یہ کہ مومنوں کا یہ گروہ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اپنی اس بدعہدی کیوجہ سے اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے غضب کا مستحق ہوگا۔

جب اُس زمانہ کے ایمانداروں کی یہ حالت ہوگی تو کفار کا کیا ذکر؟ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تسبیح الٰہی کا زمین سے منقطع ہوجانا معمولی نہ ہوگا بلکہ نہایت ہی خوفناک صورت و شکل اختیار کریگا ؂

مسلمانوں کی اخلاقی گراوٹ کے متعلق پیشگوئی

دوسری بات جو اِن دو آیتوں سے واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ تسبیح الٰہی جو حالت فترت یا وقفہ میں ہوگی۔ یہ وہ تسبیح نہیں ہوگی جو حضرت موسیٰ کے ہاتھوں سے قائم ہوئی اور یہودیوں کے بداعمال کیوجہ سے اسکا خاتمہ ہوا بلکہ یہ اس تسبیح کا زمانہ فترت ہوگا جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے قائم ہوئی اور مسلمان اسکو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے کالعدم کردینگے اگر موسوی تسبیح کے اختتام کا زمانہ مراد ہوتا تو پھر جیساکہ سورۂ حدید یا سورۂ حشر میں یہودیوں کو شدید لہجہ میں مخاطب کیا گیا ہے یہاں اس سورۃ میں بھی اسی شد و مد لہجہ سے انکو مخاطب کیا جاتا مسلمانوں کو مخاطب نہ کیا جاتا۔ جو انکے قائم مقام ہوکر تسبیح کو جاری کرنیوالے تھے۔ پس یہاں مسلمانوں کو مخصوص طور پر مخاطب کرنا صاف بتلاتا ہے کہ سورۂ صف کے عنوان سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ میں جس تسبیح الٰہی کے خاتمہ کا اعلان فرمایا گیا ہے اسکا موجب اور ذمہ وار سب سے پہلے مسلمانوں کو قرار دیا ہے۔
اور یہ درحقیقت آیندہ زمانہ کی ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جبکہ مسلمان اپنی اخلاقی حالت میں نہایت درجہ گرجائیں گے۔ چنانچہ انکی اس گراوٹ کا نقشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بایں الفاظ بیان فرماتے ہیں۔ يُوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَّهِيَ خَرَابٌ مِّنَ الْهُدٰى عُلَمَآءُهُمْ شَرٌّ مَّنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ (مشکوۃ کتاب العلم) یعنی ایسا زمانہ آئیگا کہ جب صرف زبان پر اسلام کا نام ہوگا مگر نہ دل میں اسکا کوئی اثر ہوگا نہ اعمال میں۔ قرآن کے الفاظ ہی رہجائیں گے یہانتک کہ یہ حالت ہوگی کہ مسلمانوں کی مسجدیں ہدایت سے خالی ہونگی۔ اُن کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ پس سورۂ صف میں بھی ایسے ہی مسلمانوں کو بایں الفاظ مخاطب کیا گیا ہے۔
لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ اور انہی کے متعلق یہ اعلان کیا گیا ہے۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ کہ وہ اپنی اس بدعہدی کیوجہ سے غضب الٰہی کے مستوجب ہونگے ؂

یہ بات کہ ان آیات میں آیندہ زمانہ کے نام نہاد مغضوب علیہ مسلمان مراد ہیں۔ سورۃ کی چوتھی آیت سے زیادہ وضاحت کیساتھ ثابت ہوتی ہے۔ جسمیں انکے اجتماعی شیرازہ کے بکھرنے اور انکی وحدت کے مفقود ہوجانے کا ذکر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ

سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ؕ یعنی اللہ تعالیٰ تو اُن لوگوں سے محبت کیا کرتا ہے جو اسکی راہ میں ایک نہایت ہی مضبوط صف بن کر دشمن کا مقابلہ کیا کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ سب اپنے نظام اور اتحاد کیوجہ سے ایک آہنی دیوار ہیں جس سے دشمن اگر ٹکرائے تو وہ پاش پاش ہو جائے مگر اسمیں کسی قسم کا رخنہ نہ آنے پائے ؀

مسلمانوں کے اجتماعی شیرازہ کی پراگندگی کی بارہ میں پیشگوئی

اس آیت میں اِنَّ کا لفظ قابل غور ہے اور یہاں اسکا استعمال بالکل انہی معنوں میں ہے جیسے کوئی اپنے بچے سے کہے کہ میں تو ایسے بچے سے پیار نہیں کرتا جو میلا کچیلا رہتا ہے۔ اس اسلوبِ بیان سے بھی سمجھا جاتا ہے کہ جس بچے کو مخاطب کیا جا رہا ہے وہ میلا کچیلا رہتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وہ تو اُن لوگوں سے محبت کیا کرتا ہے جو اسکی راہ میں ایک مضبوط صف ہو کر دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن ایمانداروں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے وہ دشمن کے مقابل برابر ایک صف نہیں بلکہ انکا اجتماعی شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ وہ فرقہ در فرقہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی محبت سے دور اور كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ کے مصداق اور الٰہی غضب کے مورد ہو چکے ہیں! اسی پیشگوئی کی تشریح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَيَأْتِيَنَّ عَلَىٰ أُمَّتِي كَمَا أَتَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّىٰ إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَىٰ أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَٰلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَىٰ ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَىٰ ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً ..... أَلَا وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَتَجَارَىٰ بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ لَا يَبْقَىٰ مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دَخَلَهُ (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتب والسنہ) یعنی میری امت پر بھی ویسا ہی زمانہ آئیگا جیسے بنی اسرائیل پر آیا۔ یہانتک کہ اگر وہ بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تو میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائیگی اور باوجود کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کے نفسانی خواہشات اُن پر غالب ہونگی جسکی وجہ سے كُلُّهُمْ فِي النَّارِ یعنے وہ سب کے سب آگ میں پڑیں گے سوائے ایک گروہ کے۔ اور وہ وہ ہے جو ایک امام کے ماتحت ہو کر اسلامی جماعت کا مفہوم اپنے اندر رکھتا ہوگا ؀

غرض سورہ صف کا عنوان سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ سے قائم کرکے معاً ایسے مومنوں کو مخاطب کرنا جو درحقیقت بدعہد ہیں جنکے افراد کی یہ حالت ہے کہ زبان سے وہ اپنے آپکو مسلمان یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بتلاتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کا اقرار کرتے ہیں مگر اعمال انکے اس اقرار اور دعویٰ کے بالکل برعکس ہیں جن کا اجتماعی شیرازہ حالت تفرقہ میں ہو اور جو اپنی تفرقہ اور فسق و فجور کیوجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت سے دور اور اسکے بہت بڑی غضب کے ماتحت ہیں۔ یہ سارا اسلوب خطاب یقینی طور پر بتلاتا ہے کہ سورۃ صف میں آیندہ زمانہ کی حالت کو مدنظر رکھ کر بطور پیشگوئی کے نام نہاد مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اور قرآن مجید سے واقفیت رکھنے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ حتمی پیشگوئیوں کے اعلان کے لئے بھی ماضی کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔ (مثال کے لئے دیکھو سورۃ فتح آیت ۱ و ۹۔ سورۃ الدہر آیت ۲۱-۲۲) ؎

سورۂ صف میں صحابہؓ مخاطب نہیں

اس خطاب میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ روئے سخن صحابہ کرامؓ کیطرف ہو۔ صحابہ کرامؓ کا گروہ وہ مقدس گروہ ہے جنکے ایمانوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ (مجادلہ آیت ۲۲) ایمان انکی زبان پر ہی نہیں بلکہ انکے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے لکھا گیا اور روح القدس کی تائید انکے شامل حال تھی اور فرماتا ہے وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا (سورۃ فتح ۲۶) تقویٰ اور وہ لازم و ملزوم کیطرح تھے اور وہ اسی کے حقدار تھے اور اسی کے اہل تھے فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ (احزاب ۲۳) انمیں سے بعض وہ تھے جنہوں نے اپنی قربانیوں کو موت تک پہنچایا اور بعض ایسے تھے جو اس بات کی انتظار میں تھے کہ موت کی تلخ گھڑیاں کب انکے ایمانوں کو آزمائش میں ۔ انہوں نے شدید خطرہ کیوقت اپنے آقا کے نام وارسی کہا تھا لَا نَقُولُ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَىٰ اذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ وَلَٰكِن نُّقَاتِلُ عَنْ يَمِينِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ وَبَيْنَ يَدَيْكَ وَخَلْفَكَ۔ یعنی ہم موسیٰ کی قوم کی طرح آپکو یہ جواب نہیں دینگے کہ جا تو اور تیرا رب لڑتے پھرو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم تو آپکے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی آپ کے آگے بھی اور پیچھے بھی لڑیں گے۔ اور ایسا ہی انہوں نے کر دکھایا۔ موتوں کے تیر اُن پر بارش کیطرح برسے مگر انکے قدموں میں لغزش نہ آئی۔ مصائب کے پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑے اور دشمن نے نہایت ہی مکروہ فعل اُنسے کئے جنکی وحشت کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا تھا مگر انکے ایمانوں نے ذرہ بھر خم نہ کھایا۔ عورتیں اور مرد بچے اور بوڑھے سب ہی ایمان کی کسوٹی پر ایسے کھرے ثابت ہوئے کہ انکی مثال ملنا ناممکن ہے۔ پس صحابہؓ کی سی مقدس قوم کیمتعلق عقل ایک لمحہ کے لئے بھی تجویز نہیں کر سکتی کہ اللہ تعالیٰ انہیں بایں الفاظ مخاطب کرتا ہو يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ؟ صحابہؓ تو وہ لوگ تھے جنہیں خدا تعالیٰ نے خَيْرُ الْبَرِيَّةِ کا لقب دیا اور جن کے متعلق ازل سے ہی یہ ابدی فیصلہ

کر دیا گیا تھا کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ اللہ اُن سے خوش اور وہ اس سے خوش۔ ایسے لوگوں کے متعلق یہ خطاب نہیں تھا کَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰہِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ۔ یعنی یہ کہ انکی بداعمالیاں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی ناراضگی کا موجب ہیں یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کا دور دورہ انکی وجہ سے ختم ہو گیا۔ ایک مسلمان کی غیرت ایک لمحہ کے لئے بھی یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ وہ سورۂ صف کی ان آیات کو پڑھتے ہوئے اپنے دل میں اس خیال کو جگہ دے کہ جن بدعہد مسلمانوں کا یہاں ذکر ہوا ہے وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے۔ ورنہ مخالفین کے اس اعتراض کا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ سرورِ کائنات کی قدسی تاثیر کا یہ ثمرہ ہے کہ آپ کے صحابہ (نعوذ باللہ) فاسق و فاجر تھے اور اپنے فسق و فجور کی بدولت کَبُرَ مَقۡتًا کے نذارکے ماتحت تھے اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک مسلمان اُس سُنہری تاریخ کی موجودگی میں جو صحابہ کرامؓ کے ایمان اور اعمال کے مقدس اور قابلِ رشک اور بے نظیر کارناموں سے لبریز ہے کس منہ سے کہیگا کہ سورۂ صف کی ان آیات میں حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وہی پاک نفس۔ پاک عمل اور پاک نمونہ ساتھی مراد ہیں مسلم چھوڑا ایک غیر مسلم جو صحابہؓ کے حالات سے باخبر ہے اس کا عدل و انصاف بھی یہ فتویٰ نہیں دیگا کہ سورۂ صف کی ان آیات میں نام نہاد مسلمان جو فاسق اور فاجر اور منتشر اور مغضوب علیہم قرار دئے گئے ہیں وہ محمد رسول اللہؐ کے ساتھی ہیں۔ اسلئے ان آیات کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کی روشنی میں اور قرآن مجید کے محاورے کیمطابق آجکل کے مسلمانوں میں ڈھونڈھنی پڑیگی جو کہنے کو تو مومن ہیں مگر اعمال انکے اس دعویٰ مسلمانی کے مخالف ہیں۔ دعویٰ تو جنت کی وراثت کا مگر غضب الٰہی کے مجسمہ ہیں۔

سورۂ صف میں آخری زمانہ کے کمزور ایمان مسلمان مخاطب ہیں

یہاں ایک احتمال پیدا کیا جا سکتا ہے جسکا ازالہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ سورۂ صف کی ان ابتدائی آیات میں عہدِ نبویؐ کے وہ مسلمان مراد ہیں جو ایمان و عمل میں کمزور تھے وہی بطور تنبیہ و اصلاح ان آیات میں مخاطب کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کے اور مقامات میں بھی اس قسم کے کمزور ایمان مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ سورۂ توبہ میں ایک جگہ فرماتا ہے یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَکُمۡ اِذَا قِیۡلَ لَکُمُ انۡفِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَی الۡاَرۡضِ اَرَضِیۡتُمۡ بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا مِنَ الۡاٰخِرَۃِ (توبہ: ۳۸) یعنی اے ایمانداروا تمہیں کیا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکل پڑو تو تم بوجھ محسوس کرتے ہو اِلَّا تَنۡفِرُوۡا یُعَذِّبۡکُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا وَّ یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡہُ شَیۡـًٔا دیکھو اگر اللہ کی راہ میں نہیں نکلو گے۔ تو وہ

تمہیں نہایت دردناک سزا دیگا اور تمہاری جگہ ایک اور قوم لے آئیگا اور تم اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکوگے۔ پس جیسے سورۂ توبہ اور دیگر مختلف مقامات میں کمزور مومنوں کو انکی اصلاح کی خاطر اس قسم کے شدید الفاظ میں مخاطب کیا گیا ہے ممکن ہے کہ سورۂ صف میں بھی اسی قسم کے مومنوں کی اصلاح مدنظر ہو۔ یہ تاویل معقول ہوتی اگر سورۃ صف کی مذکورہ بالا آیات کا سیاق وسباق اجازت دیتا۔ سورۃ صف کا عنوان سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ قرآن مجید کے محاورہ کے مطابق نہایت واضح طور پر اعلان کر رہا ہے کہ یہاں کسی ایسے زمانۂ فترت کا ذکر کیا جا رہا ہے جسکے ذمہ دار اہل کتاب نہیں مشرکین عرب وعجم نہیں بلکہ خود مسلمان ہیں۔ آنحضرت صلعم کے عہد کے بعض افراد کی کمزوری کو اتنی بڑی اہمیت نہیں دیجا سکتی کہ اسے زمین وآسمان کی تسبیح کے موقوف ہونیکا باعث قرار دیا جائے۔ یہ اسلوب بیان تو ایک ہمہ گیر اور عظیم الشان تغیر پر دلالت کرتا ہے جو مسلمانوں کی قوم میں بحیثیت مجموعی پیدا ہونیوالا تھا یہاں چند افراد کی کمزوری اور انکی اصلاح کا قطعاً سوال نہیں ہے کہ اتنے عظیم الشان عنوان کے قائم کرنیکی ضرورت محسوس ہو۔ یہ امر کہ ان آیات میں درحقیقت مسلمان بحیثیت ایک قوم کے مراد ہیں نہ بحیثیت بعض افراد کے اگلی آیات سے مزید وضاحت کیساتھ ثابت ہوتا ہے۔ ایسی وضاحت کیساتھ کہ ایک سمجھدار انسان کیلئے شک وشبہ کی ذرہ بھر بھی گنجائش نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۖ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ اے ایماندارو! یاد رہے موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو حالانکہ تمہیں خوب علم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں جو تمہارے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ سو جب وہ ٹیڑھے ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی انکے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ بدعہد قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

واضح ہو کہ عربی زبان میں اِذْ کا لفظ بطور تنبیہ اور آگاہی کے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان معنوں میں یہ لفظ قرآن مجید میں بکثرت استعمال ہوا ہے اور اسکا صحیح ترجمہ اردو میں یہ ہے "مدنظر رہے۔ خیال رکھنا۔ یاد رکھنا۔ بھولنا نہیں" اور جب ہم کسی سے یہ کہیں کہ دیکھنا خیال رکھنا۔ فلاں قوم نے بغاوت کی تھی تو ہم نے اسکے ساتھ یہ سلوک کیا تھا۔ اسکے یہی معنے ہونگے کہ تم اگر بغاوت کروگے تو تمہارے ساتھ بھی وہی سلوک ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں کو مخاطب کرنا اور ان سے یہ کہنا کہ یہ مدنظر رہے کہ موسیٰ کی قوم نے خدا کی توحید اور موسیٰ کی رسالت کا اقرار کرتے ہوئے ٹیڑھی چالیں چلی تھیں اور ساری قوم اپنے فسق وفجور کیوجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کھو بیٹھی تھی۔ مسلمانو! تم یہ بات نہ بھولنا۔ اس اسلوب بیان کے سوائے اسکے اور کوئی معنے نہیں کہ مسلمان بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

کا کلمہ پڑھتے ہوئے اسی طرح بدعہد ہو جائینگے جسطرح یہود ہو گئے تھے۔ انسان جس کا علم ناقص ہے وہ اگر ایک خیالی احتمال کی بناء پر کسی کو تنبیہ کرے تو یہ ضروری نہیں کہ اسکا خیالی احتمال پورا بھی ہو جائے مگر علام الغیوب خدا جب انسان کو تنبیہ کرے تو چونکہ وہ علیم ہے اس لئے اس تنبیہ کے مطابق وقوع میں آنا ضروری ہے ورنہ اگر مسلمانوں کو قوم یہود کیطرح بدعہد اور مغضوب علیہ بننا نہیں تھا تو اُن سے یہ کہنا کہ اس امر کو مدنظر رکھنا بھولنا نہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی قوم موسیٰؑ کا کلمہ پڑھنے کے باوجود فاسق و فاجر ہو گئی تھی اور اسکے فسق و فجور کیوجہ سے خدا کا غضب اسپر نازل ہوا تھا۔ ایک عبث اور بے محل کلام ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کی شان قدوسیت سے بعید ہے چونکہ اس اسلوب بیان سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ان انذاری الفاظ میں اسی لئے مخاطب کیا گیا ہے کہ انکو مثیل یہود بننا تھا اس لئے اس یقینی خبر کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انکو ان الفاظ مخاطب فرمایا لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ اَنَّهُمْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوْهُ یعنی تم ضرور اُن قوموں کی چالیں چلوگے جو تم سے پہلے ہیں۔ تم اُن سے ایسے مشابہ ہوگے جیسے ایک بالشت دوسری بالشت سے اور ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے صحابہ کرامؓ یہ سُن کر گھبرا گئے اور پوچھنے لگے کہ آیا اِن یہودیوں اور عیسائیوں کی چالیں؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا۔ اگر اِنکی نہیں تو پھر کن کی؟

یہ پانچویں آیت بڑی وضاحت کیساتھ سابقہ مضمون کی مزید تائید کرتی اور بتلاتی ہے کہ ان آیات میں صحابہ رضی کے زمانہ کے چند کمزور مسلمانوں کے نفاق اور فاسقانہ رویّہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی عالمگیر خرابی کا ذکر ہے جس میں وہ حضرت موسیٰؑ کی قوم بنی اسرائیل سے پوری پوری مشابہت پیدا کرلیں گے۔ سورۂ صف کی چھٹی آیت بھی اسی مضمون کی تائید و توضیح کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذْ

مثیل مسیح کی بعثت کی پیشگوئی

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ یعنی اے مسلمانو! یہ بات بھی یاد رکھنا کہ جب یہود بگڑ گئے تھے تو اُسوقت عیسیٰ بن مریمؑ نے یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول ہوں جو تمہارے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ توریت کی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی بشارت بھی دیتا ہوں جو میرے بعد آئیگا اُسکا نام احمد ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں کسی اور قوم کو نہیں بلکہ مسلمانوں کو مخاطب کرتا اور انکو فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تم حضرت عیسیٰؑ کی یہ بات بھی یاد رکھنا کہ انہوں نے بنی اسرائیل سے جب وہ بگڑ چکے تھے

یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری اصلاح کے لئے کھڑا کیا ہے۔ میں کوئی نئی بات نہیں لایا بلکہ موسیٰؑ کی شریعت کا ماننے والا اور اسکے احکام کا پابند ہوں۔ توریت کی پیشگوئیوں کا مصدق ہوں اور اللہ تعالیٰ کا نام نہاد مسلمانوں سے جو یہودیوں کی طرح مغضوب علیہم ہو چکے ہونگے یہ فرمانا کہ تم حضرت عیسیٰؑ کی یہ بات نہ بھولنا اسکے معنے یہ ہیں کہ انکی اصلاح کیلئے بھی اللہ تعالیٰ ویسا ہی انتظام کریگا جیسا بنی اسرائیل کیلئے کیا تھا یعنی انمیں بھی ایک مسیح بھیجیگا۔ جو انکا نجات دہندہ ہوگا۔ اور جیسا اسرائیلی مسیح توریت کا مصدق اور موسوی شریعت کا متبع تھا ویسا ہی مسلمانوں کا مسیح قرآن مجید کا مصدق اور شریعت اسلامی کا متبع ہوگا۔ وحی الٰہی کی اسی عظیم الشان پیشگوئی کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِیْکُمْ ابْنُ مَرْیَمَ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔ دوسری حدیث میں ابن مریم کے بعد ہے حَکَمًا عَدْلًا یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ۔ اے مسلمانو! تمہاری حالت کیسی ہوگی جب ابن مریم تم میں آئینگے اور تمہارا امام کہیں باہر سے نہیں بلکہ تم میں سے ہی ہوگا یہ ابن مریم حکم ہوگا جو نہایت ہی انصاف کیساتھ تمہارے اختلافات کا فیصلہ کریگا صلیب کو توڑیگا اور خنزیر کو قتل کریگا۔

کَیْفَ اَنْتُمْ تمہاری حالت کیسی ہوگی یعنی بگڑی ہوئی ہوگی جس کی اصلاح کے لئے ابن مریم نازل ہوگا وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ جملہ بیانیہ ہے جو بطور آگاہی کے ہے اور اسکی نحوی ترکیب ایک قاعدہ کلیہ پر بھی دلالت کرتی ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ تمہارے امام تمہیں میں سے ہوا کرینگے۔ یہ اس لئے فرمایا تا مسلمان ابن مریم کے نزول سے انہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ وہی اسرائیلی ابن مریم دوبارہ تشریف لائیں گے اگر حضرت عیسیٰؑ کا ہی نزول مقصود بالذات ہوتا تو اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کو بڑھانے کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ یہ جملہ اسی لئے بڑھایا گیا ہے تا مسلمانوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ مثیل یہود بن جانیوالے مسلمانوں کی اصلاح کے لئے جو ابن مریم آنیوالا ہے وہ ایک امام ہے جو مسلمانوں میں سے ہی پیدا ہوگا اور مثیل مسیح ہوگا۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے سورۂ صف کی آیت وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ میں مسلمانوں کو حضرت عیسیٰؑ کی بعثت یاد دلاتے ہوئے دو باتوں کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی ہے۔ اوّل انہیں یہ یاد رکھنے کا ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح کے لئے جو مصلح مبعوث ہوا تھا وہ توریت کی شریعت کا تابع تھا۔ اسکے یہ معنے ہیں کہ مسلمانوں کی خستہ حالی کیوقت جو مصلح مبعوث ہوگا وہ بھی اسلامی شریعت کا تابع ہوگا کسی نئی شریعت کا دعویدار نہیں ہوگا۔ اسی ضمناً یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بعض ایسے جھوٹے مدعی بھی اٹھیں گے جو قرآن مجید کے مصدق

نہیں ہونگے۔ ایسے مدعی قابل التفات نہیں۔ صرف وہی صادق ہوگا جو قرآن مجید کی شریعت کا پابند اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کا مصداق ہو۔

دوسری بات جو اس آیت کے ذریعہ سے مسلمانوں کو یاد رکھنے کی تاکید فرمائی ہے یہ ہے کہ وہ مصلح حضرت عیسیٰؑ کی بشارت کا بھی مصداق ہوگا۔ اب یہاں بالطبع ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے کہاں بشارت دی ہے کہ مسلمان جب بگڑ جائیں گے تو انکی اصلاح کے لئے ایک رسول آئیگا۔ اور اسکا نام احمد ہوگا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی دو مختلف بشارتیں

اس ایک سوال پر ہماری بحث کا سارا دارومدار ہے۔ اور اسکے حل ہو جانے پر اسکا ہمیشہ کیلئے حتمی فیصلہ اور خاتمہ ہے کیونکہ اگر حضرت مسیحؑ کے الفاظ میں اُس مُبَشّر رسول کا پتہ چل جائے تو یہ عقدہ حل ہو جائیگا کہ اِسمہٗ احمد سے کونسا نبی مراد ہے۔ آیا وہ نبی جو بنی اسرائیل کے بگاڑ کے وقت مبعوث ہونیوالا تھا یا وہ نبی جو مسلمانوں کے بگاڑ کے وقت مبعوث ہونا تھا؟ انجیل کے پڑھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے بعد دو نبیوں کے مبعوث ہونے کی پیشگوئی فرمائی ہے۔ ایک اُس عظیم الشان نبی کی جو اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے بگڑ جانے کے وقت مبعوث ہونا تھا جسکی آمد کے ساتھ موسوی شریعت کا خاتمہ اور ایک نئی شریعت کا آغاز مقدر تھا۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ باغ کی مثال بیان کرنیکے بعد فرماتے ہیں:-

"اس لئے میں تم سے کہتا ہوں خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی اور اُس قوم کو جو اسکے پھل لائے دیدی جائیگی۔ اور جو اُس پتھر پر گریگا اسکے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائینگے مگر جس پر گریگا اسے پیس ڈالیگا۔"[1]

ایسا ہی ایک اور جگہ یروشلم کی ویرانگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اعلان بایں الفاظ فرماتے ہیں:-

"اے یروشلم! اے یروشلم! تو جو نبیوں کو قتل کرتی ہے۔ اور جو تیرے پاس بھیجے گئے انہیں سنگسار کرتی ہے۔ کتنی ہی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں۔ مگر تم نے نہ چاہا۔ دیکھو تمہارا گھر تمہارے لئے ویران چھوڑا جاتا ہے۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے مجھے پھر ہرگز نہ دیکھو گے۔ جبتک نہ کہو گے کہ مبارک ہے وہ جو خدا کے نام پر آتا ہے۔" (متی ۲۳ : ۳۷)

پھر اسی خداوند کے نام پر آنیوالے کی مزید تشریح کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:-

"میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط (یعنی محمدؐ) تم پاس نہ آئیگا۔ پھر اگر میں جاؤں تو اسے تم پاس بھیج دونگا اور وہ آکر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیروار ٹھہرائیگا .... جب وہ روح حق آئیگی تو تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائیگی۔ وہ روح حق میری [illegible]

[1] متی ۲۱ : ۴۳

بزرگی کریگی۔ اس لئے کہ وہ میری چیزوں سے پائیگی۔ وہ فارقلیط جسے باپ میرے نام سے بھیجیگا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائیگا۔ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ مجھ کو نہ دیکھوگے۔ اُسوقت تک کہ تم کہوگے مبارک ہی وہ جو خدا اللہ کے نام پر آتا ہے" نیز فرماتے ہیں :۔

"مجھے تم سے اَور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم انکی برداشت نہیں کرسکتے۔ لیکن جب وُہ یعنی سچائی کی رُوح آئیگی تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائیگی۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہیگا۔ لیکن جو کچھ سُنیگا وہی کہیگا۔ اور تمہیں آیندہ کی خبریں دے گا" (یوحنا ۱۶: ۱۳) اور فرماتے ہیں :۔

"اور مَیں باپ سے درخواست کرونگا۔ تو وہ تمہیں دوسرا شفیع بخشیگا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی سچائی کی رُوح جسے دنیا حاصل نہیں کرسکتی۔ کیونکہ نہ اسے دیکھتی نہ جانتی ہے" (یوحنا ۱۴: ۱۶)

محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق بشارت

حضرت مسیحؑ کی یہ پیشگوئی ایک ایسے نبی کی بعثت کے متعلق ہی جو صاحب شریعت ہوگا۔ جسکی شریعت ساری صداقتوں کی جامع اور ہمیشہ قائم رہنے والی ہوگی۔ وہ اللہ تم اور بنی نوع انسان کے درمیان شفیع ہوگا۔ اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ مسیح کی اس پیشگوئی سے مراد سیّد الکونین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں آپؐ ہی کا نام فارقلیط[1] ہے جس کے معنے ہیں "ستودہ صفات" یعنی تعریف کیا ہوا"۔ اور آپکی بعثت کیساتھ یروشلم یعنی بیت المقدس ویران ہوا اور بنی نوع انسان کے لیۓ ایک نیا کعبہ تجویز کیا گیا۔ اور آسمان کی بادشاہت بنی اسرائیل سے چھین کر حضرت موسیٰؑ کی پیشگوئی کے مطابق انکے بھائیوں بنی اسمٰعیل کو دی گئی۔ تا وہ اسکا پھل لائیں۔

حضرت مسیحؑ کی اپنی آمد ثانی کے متعلق پیشگوئی

حضرت مسیح نے اس پیشگوئی کے علاوہ اپنی آمد ثانی کے متعلق بھی ایک پیشگوئی کی ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"بہتیرے میرے نام سے آئیں گے۔ اور کہیں گے کہ مَیں مسیح ہوں۔ اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کرینگے۔ اور تم لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہ سنوگے۔ خبردار گھبرا نہ جانا۔ کیونکہ ان باتوں کا واقع ہونا ضرور ہے۔ لیکن اُسوقت خاتمہ نہ ہوگا۔ کیونکہ قوم پر قوم اور بادشاہت پر بادشاہت چڑھائی کریگی۔ اور جگہ جگہ کال پڑیں گے اور بھونچال آئیں گے لیکن یہ سب باتیں مصیبتوں کا شروع ہی ہونگی۔۔۔۔۔ جب بیدینی کے بڑھ جانیکے سبب بہتیروں کی محبت ٹھنڈی پڑجائیگی۔ مگر جو آخر تک برداشت کریگا وہ نجات پائیگا۔ بادشاہت کی اس خوشخبری کی منادی تمام دنیا میں ہوگی۔ تاکہ سب قوموں کے لئے گواہی ہو۔ اور اسوقت خاتمہ ہوگا۔ (یعنی شیطانی اور رحمانی جنگ کا) پس جب تم اس اجاڑنیوالی مکروہ چیز کو جس کا ذکر دانیال نبی

[1] سید نے خطبات احمدیہ میں فارقلیط کے معانی پر علماء کی تحقیق پیش کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ اسم محمدؐ کا مترادف ہے۔ منہ

کی معرفت ہؤا مقدس مقام (بیت المقدس) میں کھڑا ہؤا دیکھو۔ تو جو یہودیہ میں ہوں وہ پہاڑوں پر بھاگ جائیں وہ اپنا گھر کا اسباب لینے کو نیچے نہ اُترے۔ اور جو کھیت میں ہو وہ اپنا کپڑا لینے کو پیچھے نہ لوٹے ..... کیونکہ اُسوقت ایسی بڑی مصیبت ہو گی۔ کہ دنیا کے شروع سے نہ ابتک ہوئی نہ کبھی ہوگی۔ اور اگر وہ دن گھٹائے نہ جاتے تو کوئی بشر نہ بچتا۔ مگر برگزیدوں کیخاطر وہ دن گھٹائے جائیں گے۔ اُسوقت اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ہے تو یقین نہ کرنا۔ کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہونگے اور ایسے بڑے نشان دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کرلیں ..... جیسے بجلی پورب سے کوند کر پچھم تک دکھائی دیتی ہے ویسے ہی ابن آدم کا آنا ہوگا۔ جہاں مردار ہے وہاں گدھ جمع ہو جائینگے اور فوراً اُن دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائیگا اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا۔ اور ستارے آسمان سے گرینگے۔ اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائینگی۔ اور اُسوقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دیگا۔ اور اُسوقت زمین کی ساری قومیں چھاتی پیٹیں گی۔ اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمانوں کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی"[1] (متی ۲۴: ۵ تا ۳۱)

مسیح کی آمد ثانی کا زمانہ اور اسکی علامات

یہ حضرت مسیح کی دوسری پیشگوئی ہے جس میں انہوں نے اپنی آمد ثانی کے متعلق اعلان کیا ہے اور اسمیں اپنے آنیکا زمانہ اور اسکے نشانات بتلائے ہیں۔ اور ان نشانوں میں سے سب سے بڑا نشان یہ بتلایا ہے کہ یہ وہ زمانہ ہوگا جب دانیال نبی کی پیشگوئی کے مطابق اُجاڑنے والی مکروہ چیز مقدس مقام میں کھڑی ہوگی۔ نیز حضرت مسیح کی اسی پیشگوئی کا ذکر لوقا کی انجیل باب ۲۱: ۲۴ میں یوں آتا ہے :-

"جبتک غیر قوموں کی میعاد پوری نہ ہو یروشلم غیر قوموں سے پامال ہوتی رہے گی۔ اور سورج اور چاند اور ستاروں میں نشان ظاہر ہونگے۔ اور زمین پر قوموں کو تکلیف ہوگی۔ کیونکہ وہ سمندر اور اسکی لہروں کے شور سے گھبرا جائیں گی۔ اور ڈر کے مارے زمین پر آنیوالی بلاؤں کی راہ دیکھتے دیکھتے لوگوں کی جان میں جان نہ رہے گی۔ اس لئے کہ آسمان کی قوتیں ہلائی جائینگی۔ اُسوقت لوگ ابن آدم کو قدرت اور پورے جلال کے ساتھ بادل میں آتے دیکھیں گے۔ جب یہ باتیں ہونے لگیں تو سیدھے ہوکر سر اوپر اٹھانا اس لئے کہ تمہاری مخلصی نزدیک ہے"۔

یہ غیر قوموں کی میعاد اور مکروہ چیز کے بیت المقدس میں کھڑا ہونیکی پیشگوئی وہی ہے جو حضرت دانیال نے اپنے مشہور مکاشفہ کی بناء پر بیان کرتے ہوئے اسکی یہ تشریح کی ہے کہ رومی سلطنت کی دس شاخوں کے بیچوں بیچ پیدا ہونیوالی نہایت زبردست حیوانی حکومت کے قبضہ میں حق تعالیٰ

[1] کتاب "آسمانی بادشاہت" میں اس پیشگوئی پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

کے وہ مقدس لوگ دیئے جائینگے جو رُومی سلطنت کو تباہ کر کے ازلی و ابدی بادشاہت قائم کرنے والے ہونگے۔ یہانتک کہ ایک مُدّت، مُدّتیں اور آدھی مدّت گزر جائیگی۔ اور جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "آسمانی بادشاہت" میں تفصیل کے ساتھ بتلایا ہے کہ علامہ ڈمبل بی اپنے یقینی حسابات کی بناء پر یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہ میعاد ۱۸۹۸ء میں ختم ہو جانی ضروری ہے[۵] جس میں حق تعالیٰ کے مقدس لوگ جنہوں نے رومانیوں کے ہاتھ سے بیت المقدس چھینا ہوگا دجال کے ہاتھ سے پامال ہوں گے۔ اور دجال اُن سے بیت المقدس چھین لیگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ رومانیوں سے بیت المقدس چھیننے والے حق تعالیٰ کے یہ بندے مسلمان تھے جنہوں نے عین میعاد کے اندر انبیاء کے نوشتوں کو پورا کیا۔ حضرت مسیح ؑ کی اس پیشگوئی سے جسکا ذکر انجیلوں میں متعدد بار آیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ انکی آمدِ ثانی کا زمانہ وہ ہے جسکا خاتمہ انیسویں صدی میں ہوتا ہے اور اسکی بڑی علامت یہ قرار دی ہے کہ مسلمان دجّال کے ہاتھوں تباہ اور خستہ حال ہو جائیں گے اور اپنا مقدس کھو چکے ہونگے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت مسیح ؑ کی اس پیشگوئی کو دُہراتے ہوئے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہیں۔ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ جیسے حضرت مسیح ؑ اپنی آمدِ ثانی کا تعلق مسلمانوں کی خستہ حالی کے ساتھ بتلاتے ہیں۔ ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ابن مریم کی آمدِ ثانی کو انہی کی خستہ حالی اور اصلاح کیساتھ مخصوص فرماتے ہیں۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسیح ؑ کی آمدِ ثانی کی مزید تشریح یہ فرماتے ہیں کہ وہ تم میں سے ایک امام ہوگا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی مُثنّیٰ ہے اس پیشگوئی کا جو حضرت مسیح ؑ نے اپنی آمدِ ثانی کے متعلق کی ہے۔ دونو کا ماحصل یہ ہے کہ یہ بعثت مسلمانوں کی بربادی کے زمانے میں اور انکی اصلاح کیخاطر۔ نیز کسرِ صلیب اور دجال کے مقابلہ کے لئے ہوگی ۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مسیح ؑ نے اپنے بعد دو بعثتوں کی دو مختلف بشارتیں دی ہیں ایک کا تعلق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کیساتھ ہے اور دوسرا خود انکی آمدِ ثانی کے ساتھ ۔

سورۂ صف میں حضرت مسیح کی دو بشارتوں میں سے کونسی بشارت مراد ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورۂ صف میں حضرت مسیح ؑ کی ان دونو پیشگوئیوں میں سے کونسی پیشگوئی کیطرف اشارہ ہے؟ آیا اس پیشگوئی کیطرف جس میں حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت ہے جس میں روئے سخن سب سے پہلے اور مقدم اہلکتاب کیطرف ہونا چاہیئے یا اس پیشگوئی کے متعلق جس میں خود انکی آمدِ ثانی کی بشارت ہے؟ اور جس کے پہلے مخاطب مسلمان ہیں۔ کیا بلحاظ خود حضرت مسیح ؑ کی تشریحات کے اور کیا بلحاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات کے ۔

[۵] تفصیل کیلئے دیکھو کتاب "آسمانی بادشاہت" ص ۲ تا ۲

پس اگر اس سورۃ کا موضوع اہل الکتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی گمراہی اور انکی اصلاح ہی تو پھر مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور کوئی دوسرا نہیں۔ اور اگر اس سورۃ کا موضوع شروع سے لیکر آخر تک مسلمانوں کی گمراہی اور انکے تفرقہ اور تشتت اور انکی مخصوصیت کا ذکر ہے تو اسمہٗ احمد سے مراد وہ انسان ہی جو مسلمانوں کی اصلاح کے لئے مبعوث ہونا تھا جس کے متعلق حضرت مسیحؑ نے بایں الفاظ بشارت دی کہ میں دوبارہ آؤنگا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی تصدیق فرماتے ہوئے یہ صراحت کردی کہ وہ تم میں سے ایک امام ہوگا۔ پس ان دو صورتوں میں سے جونسی صورت ثابت ہوگی اسپر سارا دارومدار اس امر کے متعلق فیصلہ کرنیکا ہوگا کہ اسمہٗ احمد سے کون مراد ہے؟ اور یہ ایک ایسا مرکزی نقطہ ہی جس سے سارا جھگڑا طے ہوجاتا ہے۔ سورۃ صف کو شروع سے لیکر آخر تک پڑھ جائیں کہیں بھی یہودیوں یا عیسائیوں کو مخاطب نہیں کیا گیا۔ اس سورۃ کی کسی آیت میں بھی يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ یا يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ کہکر

سورۂ صف میں بنی اسرائیل مخاطب نہیں

اِذْ قَالَ مُوْسٰى یا اِذْ قَالَ عِيْسٰى نہیں کہا گیا۔ اگر یہ کہا جاتا کہ اے بنی اسرائیل اسکا خیال ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے تم سے کہا تھا کہ خدا تمہارے درمیان میری مانند رسول بھیجیگا۔ یا یہ کہا جاتا کہ اے بنی اسرائیل تمہیں یہ بات نہ بھولے کہ مسیحؑ نے ایک رسول کی بشارت دی تھی جسکا نام احمد ہے۔ تو اس صورت میں یقیناً حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ کی تنبیہ یا بشارت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتے لیکن اس کے برعکس بجائے بنی اسرائیل یا اہل الکتاب کو مخاطب کرنیکے اس سورۃ میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر مسلمانوں کو تین دفعہ مخاطب کیا گیا ہی اور ان سے یہ کہا گیا ہے کہ تم اس بات کو نہ بھولنا کہ جب موسیٰؑ کی قوم ٹیڑھی چالیں چلی تو خدا تعالیٰ نے انکے دلوں کو ملعون کردیا اور بجائے محبت کے ان سے نفرت کی۔ اور مسلمانوں ہی کو مخاطب کرکے یہ کہا گیا ہی۔ کہ یہ بات بھی نہ بھولنا کہ حضرت مسیحؑ نے اپنے بعد ایک رسول کی بشارت دی تھی جس کا نام احمد ہے۔ چونکہ روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہی اور انہی کی عہد شکنی اور دوبارہ اصلاح کا ذکر ہی اس لئے یہاں جس احمد کی بشارت یاد رکھنے کے لئے مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے اس سے مراد یقیناً وہ احمد ہے جو مسلمانوں کی خستہ حالی کیوقت اور انکی اصلاح کی خاطر مبعوث ہونا تھا نہ کوئی اور احمد۔ اور وہ خود حضرت مسیحؑ کی پیشگوئی اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات کے مطابق وہ ابن مریم ہے جو اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ کا مصداق ہے۔ جب یہودیوں اور عیسائیوں کے بگڑنے سنورنے کا یہاں ذکر ہی نہیں اور اند

آیات میں انہیں مخاطب ہی نہیں کیا گیا تو پھر یہ کہنا کہ اس آیت میں جس اَحْمد رسول کی بشارت دی گئی ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قطعاً معقول نہیں ؛

شاید یہاں کسی کو یہ خیال گزرے کہ سورۂ صف کی پانچویں چھٹی آیات میں بنی اسرائیل کے بگڑنے کا ذکر ہے اور ان آیات میں بنی اسرائیل کو یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ اور یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے اس لئے اس خطاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ سورۂ صف کی ان آیات میں بنی اسرائیل کی اصلاح مقصود بالذات ہے۔ بیشک بنی اسرائیل کو یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کہکر یہاں مخاطب کیا گیا ہے مگر یہ خطاب اس رنگ میں ہرگز نہیں ہے جس سے یہ پایا جائے کہ اس سے بنی اسرائیل کی اصلاح مقصود بالذات ہے بلکہ انکا ذکر بطور درسِ عبرت کے کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اے مسلمانو! تم یہ نہ بھولنا کہ موسیٰ کی قوم پر ایک زمانہ آیا تھا کہ جب وہ اپنے بدعقائد اور مکروہ افعال کے ذریعہ سے موسیٰؑ کی ایذا اور دشنام دہی کا باعث ہوئی تھی اور وہ ان کے لئے باعث ننگ و عار تھی اور حضرت موسیٰؑ نے تنگ آکر انکو مخاطب کیا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو تم مجھے کیوں ایذا پہنچا رہے ہو۔ اس اسلوب بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دراصل موسیٰ کی قوم کی اصلاح قطعاً اسجگہ مقصود نہیں بلکہ اسکا ذکر ضمناً اس لئے کیا گیا ہے تا مسلمان انکی حالت سے عبرت حاصل کرتے ہوئے یہ مدنظر رکھیں کہ مبادا وہ بھی اپنے رسول کی ایذا کا باعث بنیں ؛

حرف اِذْ کے متعلق ایک ضروری قاعدہ

اسبات کے فیصلہ کے لئے کہ آیا اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ میں مخاطب دراصل بنی اسرائیل ہیں یا مسلمان یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اِذْ کے لفظ سے پہلے سیاق کلام میں کون مخاطب ہے؟ اگر اِذْ سے پہلے بنی اسرائیل مخاطب ہوں تو بیشک انہی کی اصلاح کا ذکر ہے۔ لیکن اگر اس حرف سے پہلے بنی اسرائیل مخاطب نہیں بلکہ مسلمان مخاطب ہوں۔ تو پھر اس امر کا سمجھ لینا نہایت آسان ہو جاتا ہے کہ دراصل یہاں مسلمانوں کی اصلاح کا سوال مقصود بالذات ہے۔ سورۃ بقرہ میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بنی اسرائیل کو وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ ؛ وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ ؛ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ ؛ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ؛ وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ وغیرہ الفاظ سے یاد دہانی کرائی گئی ہے تو وہاں اِذْ سے پہلے یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ کہکر بنی اسرائیل کو مخاطب کیا گیا ہے۔ مگر اس سورۂ صف میں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔

کہکر مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور ان سے کہا گیا ہے وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ
اور وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ؛

پس اس اسلوب بیان سے نہایت ہی وضاحت کیساتھ مُبرہَن ہو جاتا ہے کہ یہاں درحقیقت مسلمان ہی مخاطب ہیں اور انہی سے یہ کہا گیا ہے کہ تم موسیٰ کا وہ خطاب بھی یاد رکھنا جو انہوں نے اپنی قوم کے بگڑنے پر کیا تھا۔ اور حضرت عیسیٰ کی وہ پیشگوئی بھی یاد رکھنا جو انہوں نے ایک احمد رسول کے متعلق کی تھی۔ یہ اسلوب خطاب صفائی سے بتا رہا ہے کہ درحقیقت یہاں مسلمانوں ہی کے بگڑنے سنورنے کا سوال ہے نہ کسی اور کے ؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس صورت میں مُراد ہو سکتے ہیں؟

علاوہ ازیں اگر حضرت مسیح نے اپنے بعد ایک ہی نبی کی بعثت کے متعلق بشارت دی ہوتی تو اس صورت میں یہ کہنا شاید کچھ وزن رکھ سکتا تھا کہ چونکہ انہوں نے اپنے بعد صرف ایک ہی نبی کی بشارت دی ہے اور وہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے یہاں اِسْمُہٗ اَحْمَدُ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ مگر جب یہ بات مسلمہ ہے کہ حضرت مسیح نے اپنے بعد دو بعثتوں کی بشارت دی ہے ایک کا تعلق اُس زمانہ کے ساتھ ہے جب اہل کتاب بگڑ جائینگے۔ اور انکی شریعت فیض رسان ہونیکے قابل نہ رہیگی۔ اور انکی جگہ ایک کامل شریعت کی ضرورت پیدا ہو جائے۔ اور دوسری بعثت کی بشارت ایسے زمانے کے لئے مخصوص کی گئی ہے جب مسلمان بگڑ جائینگے اور دجال کے ہاتھوں پامال ہو کر وہ اپنا بیت المقدس کھو دینگے۔ پس اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ سورۂ صف کا مضمون ان دو بعثتوں میں سے کس بعثت کی تصدیق کرتا ہے؟ اور وہ کونسی بعثت ہے؟ جس سے سیاق و سباق کا نظم و نسق درست بیٹھتا ہے اور ربط کلام میں کسی قسم کا نقص بھی واقع نہیں ہوتا ؛

اِسْمُہٗ اَحْمَدُ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینے میں ربطِ کلام ٹوٹتا ہے

وہ لوگ جنہیں عربی زبان کی فصاحت و بلاغت سے کچھ بھی واقفیت ہے اگر ان پر یہ اعتراض ہو کہ قرآن مجید نے یہ کیا نرالا اسلوب اختیار کیا کہ مخاطب تو مسلمان ہوں جنہیں لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کا مصداق ٹھہرایا جائے اور جنہیں کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ کا وعید سنایا جائے اور جو فرقہ در فرقہ ہو کر اپنی وحدت کھو چکے ہوں جو قوم موسیٰ کی طرح جادۂ استقامت سے بھٹک کر فاسقین اور فاجرین کے گروہ میں شمار

کئے جا رہے ہوں ۔ جنکی بدعہدیاں اور بداعمالیاں اس حد تک پہنچ گئی ہوں کہ زمین و آسمان کی تسبیح
بالاتِ وقفہ میں پڑکر اللہ تعالیٰ کی صفتِ عزیزیت اور حکیمیت سے ایک نئی بعثت کا تقاضا کر رہی ہو
جنہیں یہ یاد رکھنے کی تلقین کیجا رہی ہو کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی اس بعثت کو نہ بھولیں جو یہودیوں
کی دوبارہ اصلاح کے لئے ظہور پذیر ہوئی ۔ اور نیز حضرت مسیحؑ کی اس بشارت کو بھی نہ بھولیں ۔ جو
ایسے حالات میں ایک احمد رسول کے مبعوث ہونیکے متعلق انہیں پہلے سے دی گئی ہے ۔
غرض مخاطب تو ہر آیت میں خستہ حال مسلمان ہوں اور مراد اس پیشگوئی سے وہ رسول عربی
ہوں جن کا نام احمد نہیں محمدؐ ہے ۔ جنکی بعثت کا وقت مسلمانوں کی گمراہی کا زمانہ نہیں بلکہ یہودیوں
اور عیسائیوں کی گمراہی کا زمانہ تھا ؟ بھلا اس اعتراض کا ان لوگوں کے پاس کیا جواب ہے ۔ جو
قرآن مجید کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ اس میں کیا فصاحت یا بلاغت
رہ جاتی ہے کہ ایک طرف تو ربطِ کلام ٹوٹتا ہے اور دوسری طرف صحابہ کرامؓ کے ایمان اور قربانیوں
پر نہایت خطرناک زد پڑتی ہے ۔ اور پھر واقعات بھی اسکی تصدیق نہیں کرتے ۔ مزید براں یہ کہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اسمِ ذات بھی احمد نہیں ہے ؛
پس ان علمی اور عقلی وجوہ کی بناء پر یہ امر پایۂ یقین تک پہنچ جاتا ہے کہ سورۂ صف کی ان
آیات کا تعلق صرف اس زمانہ کے ساتھ ہے ۔ جب مسلمان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں
کے مطابق یہودیوں کا سا رنگ روپ اختیار کر لیں گے ۔ اور حضرت مسیحؑ کی بشارت اسمہٗ احمد
سے مراد وہ ابنِ آدم ہے جو مسیح کے رنگ میں ظاہر ہو کر مسلمانوں کی اصلاح کے لئے مبعوث ہونا تھا ۔
جسکی بعثت کو حضرت مسیحؑ نے گویا اپنی آمد سے تعبیر کیا ۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اسکی
تصدیق کی اور وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ ایزاد فرما کر اس بات کی تصریح اور تعیین کر دی کہ وہ مسلمانوں
میں سے ہی ان کا ایک امام ہوگا ؛

اس اعتراض کا جواب کہ قرآن مجید نقل میں صحتِ الفاظ کا خیال نہیں رکھتا

یہ مضمون شاید بعض لوگوں کے لئے ادھورا رہیگا
اگر یہاں ایک شبہ کا ازالہ بھی نہ کر دیا جائے ۔ اور وہ شبہ
یہ ہے کہ جب قرآن مجید نے حضرت مسیحؑ کی آمدِ ثانی
کی پیشگوئی کو انکی طرف منسوب کرتے ہوئے بیان کیا ہے تو کیوں نہ اسنے یہ پیشگوئی حضرت مسیحؑ
کے الفاظ میں ہی درج کی تا یقینی طور پر خیال رہتا کہ اس سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم والی بشارت
مراد نہیں بلکہ دوسری بشارت مراد ہے جس میں وہ اپنے دوبارہ آنیکا اعلان کرتے ہیں ۔ حضرت مسیحؑ

کی پیشگوئی کے الفاظ چھوڑ کر وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ کے الفاظ کو
اختیار کرنا اور انکو حضرت مسیح ؑ کی طرف منسوب کرنا تو ایک ایسا امر ہے جس پر اعتراض پڑ سکتا
ہے کہ گویا قرآن مجید غلط بیانی کر رہا ہے یا کم از کم یہ کہ وہ نقل میں صحت الفاظ کا خیال نہیں رکھتا۔
جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح کی پیشگوئی کو دُہرایا ہے تو آپ نے انکے الفاظ کا
خیال رکھا ہی۔ اور فرمایا ہے کہ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِیْکُمْ ابْنُ مَرْیَمَ اور اسکے ساتھ ہی وَاِمَامُکُمْ
مِنْکُمْ فرما کر صراحت بھی کر دی۔ لیکن سورۂ صف میں ایسا نہیں کیا گیا۔ اگر سورۃ صف کی آیات میں حضرت
مسیح کی دوسری پیشگوئی یعنی انکی آمد ثانی والی بشارت کا ہی ذکر ہوتا تو پھر ان دو باتوں میں سے
ایک ضرور پائی جاتی۔ یا تو آیات موصوفہ میں حضرت مسیح کی آمد ثانی کا کچھ اشارہ ہوتا۔ یا خود حضرت
مسیح کے اعلان میں اپنے مثیل کا نام احمد بتایا گیا ہوتا۔ چونکہ ان دونو باتوں میں سے ایک بھی
نہیں ہی۔ اس لئے اگر سورۂ صف کی آیات موصوفہ میں حضرت مسیح کی آمد ثانی کا ذکر پایا جاتا تو قرآن
شریف پر حضرت مسیح کیطرف وہ بات منسوب کرنیکا اعتراض وارد ہوتا ہے جو انہوں نے نہیں کہی

اس شبہ کی دونو شقوں کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید نے جو علام الغیوب خدا کا صریح
اور واضح کلام ہی۔ اپنے متعلق سورۂ کہف کی پہلی آیت میں یہ اعلان کر دیا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا
مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِیْنَ
فِیْهِ اَبَدًا ۝ یعنی سب خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی۔ اور اسمیں
کوئی پیچیدگی نہیں رکھی۔ صحیح صحیح رہ نمائی کرنے والی ہی۔ تا وہ اس کے حضور سے ایک نہایت شدید بد
خطرے کے متعلق لوگوں کو آگاہ کرے۔ اور اُن مومنوں کو بشارت دے جو اعمال صالحہ بجا لاتے
ہیں کہ انہیں اچھا محنتانہ ملیگا جسمیں وہ ہمیشہ رہینگے اور نیز اُن لوگونکو بد انجام سے بھی ڈرائے جو
یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے مسیح کو بیٹا بنایا ۔

سورۂ کہف کی یہ آیات مسلمانوں کے درمیان اسوجہ سے بڑی شہرت رکھتی ہیں کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو شخص جمعہ کے روز ان آیات کی تلاوت کریگا وہ دجال سے محفوظ
رہیگا۔ اور آپ جانتے ہی ہیں جو تصویر دجال کی انبیاء علیہم السلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی پیشگوئیوں میں کھینچی گئی ہے۔ یعنی وہ دائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔ بائیں آنکھ بھی دانہ انگور کی
طرح پھولی ہوئی ہوگی۔ ماتھے پر ک۔ ف۔ ر لکھا ہوا ہوگا۔ ایک تیز رو سواری رکھیگا۔ جس کے

ذریعہ بادل کی مانند مشرق و مغرب میں چکر لگائیگا۔ اسکے حکم سے زمین اپنے خزانے باہر اُگل دے گی اور بادل پانی برسائیں گے۔ اور رزق کے پہاڑ اسکے پاس ہونگے۔ اس کے ایک ہاتھ میں جنت ہوگی تو دوسرے میں جہنم۔ اور اس شان و شوکت سے وہ ساری دنیا پر چھا جائیگا۔ اور حق تعالےٰ کے بندوں کو پامال کرکے تمام قوموں پر حکومت کریگا۔ وہ ابتدا میں ایک چھوٹا سا سینگ ہوگا جو رومانی حکومت کی دس شاخوں کے بیچوں بیچ نکلے گا۔ اور بڑھتے بڑھتے ایک خوفناک شکل کا حیوان بنجائیگا جس کا منہ انسان کا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اور اسکے انبیاء کے خلاف کفر بکیگا۔ اور چونکہ دجال کی یہ تصویر انبیاء علیہم السلام نے خوابوں یا کشفوں کی بناء پر کھینچی اور استعاروں اور تمثیلوں کے آئینہ میں اُتاری گئی ہے۔ اس لئے اپنے اندر وہ وضاحت اور تعیین نہیں رکھتی جو یقینی اور حتمی حُلیہ کا پتہ دے سکے جسے دیکھکر ہم فوراً شناخت کرلیں کہ دجال موعود یہ ہے۔ مگر جب قرآنمجید میں دجال معہود کے خطرہ سے ہمیں آگاہ کیا جانے لگا تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سورۃ کہف میں یہ تمہید اُٹھائی کہ یہ وہ کتاب ہے جو ہمہ صفت موصوف ذات کیطرف سے نازل ہوئی ہے۔ اور اسکے بیان میں کوئی پیچیدگی نہیں جس سے غلط فہمی پیدا ہو سکے۔ نہایت صحت کیساتھ ہر بات کا یقینی پتہ دیتی ہے۔ یہ ایک عظیم خطرہ سے آگاہ کرتی ہے۔ اور اس تمہید کے بعد معاً عیسائیوں کے باطل عقیدہ اور اس کے بدنتائج کا ذکر کرکے اُس ہولناک خطرہ سے ہمیں واقف کردیا۔ جو دنیا میں برپا ہونا تھا۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنپر وحی نازل ہوئی۔ ان آیات کا اصل مدعا سمجھ کر نہایت احتیاط اور شفقت کیساتھ ہمیں یہ تلقین کردی۔ کہ دیکھو اگر دجال کے شر سے بچنا چاہتے ہو۔ تو ان آیات کو ہمیشہ مدنظر رکھو۔ اور برابر انکی تلاوت کرتے رہو ؎

اور جس طرح قرآن مجید نے دجال کے متعلق انبیاء کے تمثیلی بیانات کو چھوڑ کر اس کی شخصیت کا ایسا یقینی پتہ دیا۔ کہ اسپر وہ تمام تصویریں چسپاں ہوجاتی ہیں جو انہوں نے مختلف پیرایوں میں کھینچی تھی ؎

پیشگوئی کے بیان کرنے میں قرآنمجید کا خاص احتیاط

بالکل اسی طرح حضرت مسیح کی تشبیہی پیشگوئی کے الفاظ بھی نظرانداز کرکے اُس موعود کے نام اور وقت کا ٹھیک ٹھیک پتہ دے دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جن پر قرآنمجید کی وحی پاک کی واضح تجلی ہوئی۔ ان آیات کا حقیقی مدعا سمجھ کر حضرت مسیح کی تمثیلی پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ تمہارے امام تمہیں میں سے ہوا کرینگے۔ قرآنمجید اگر حضرت

مسیح ہی کے الفاظ دُہرا دیتا تو جو غلط فہمی ابن مریم کی آمد ثانی کے متعلق آج مسلمانوں کو تمثیلی بیانات کیوجہ سے ہوئی وہ اَور زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لیتی۔ انمیں سے اکثر یہودیوں کی طرح قیامت تک نہ سمجھ سکتے کہ مسیح کی آمد ثانی سے مراد کسی مثیل کی بعثت ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر بہت بڑا احسان کیا۔ جو قرآن کریم جیسی قیم کتاب سید الرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے انسان پر نازل فرمائی وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا اور اس کے بیان میں کسی قسم کا پیچیدہ پیرایہ اختیار نہ کیا۔ جس سے غلط فہمی کا امکان ہوتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وحی کی بین تجلی کی اتباع میں حضرت مسیح کی بشارت کو دُہراتے ہوئے مسلمانوں کو صاف اور واضح الفاظ میں تبلا دیا۔ کہ وہ تمہارا امام ہوگا جو تم میں سے ہوگا۔ اور اگر روایات

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تصریح کہ امام مہدی کا نام احمد ہوگا

کی سند صحیح[1] ہے تو یہاں تک تصریح فرمادی کہ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِي یعنی اسکا نام میرے نام کیساتھ موافقت رکھیگا۔ يُوَاطِئُ کے معنے ہیں يُوَافِقُ یعنی موافقت رکھنا۔ اسلئے یہ معنے نہیں کہ میرا نام محمدؐ ہے اور مہدی کا نام بھی محمد ہوگا۔ دنیا میں بہتوں کا نام محمد ہے جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ موافقت رکھنے کا اصل مفہوم پورا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس جملہ کے یہ معنی ہیں کہ میں محمدؐ ہوں اور وہ احمد ہوگا ؁

محمدؐ کے معنے وہ شخص جس کی بہت تعریف کیجائے۔ اور احمد کے معنے وہ جو بہت تعریف کرنیوالا ہو۔ محمدؐ کے معنوں میں یہ پیشگوئی مضمر ہے کہ آپکی انتہائی تعریف کی جائے گی۔ اللہ بھی تعریف کریگا اور انسان بھی تعریف کرینگے۔ اور انسانوں میں سے ایک وہ بھی ہوگا جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صفتِ محمدیت کے مقابل میں صفتِ احمدیت اپنی کمال شان کے ساتھ متجلی ہوگی۔ اور ان معنوں کی رو سے وہ کما حقہٗ احمد ہوگا۔ جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کما حقہٗ محمدؐ ہیں۔ گویا اس اعتبار سے اسم احمد اسم محمدؐ کے ساتھ پوری پوری موافقت رکھنے والا ہے۔ يُوَاطِئُ اصل میں مصدر وطاء سے مشتق ہے جس میں علاوہ مطابقت کے تقابل کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ دو چیزیں[*] اپنی شخصیت اور نوعیت میں جُدا

---

[1] امام حافظ محمد بن ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب جامع ترمذی میں مہدی کے بارہ میں جو دو مستند روایات بیان کی ہیں انمیں صرف یہی الفاظ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِي ہیں۔ اور ضعیف روایتیں جن میں اِسْمُ اَبِيْهِ اِسْمُ اَبِيْ وغیرہ زائد الفاظ ہیں وہ انہوں نے رد کر دی ہیں۔ (دیکھو ترمذی باب ماجاء فی المہدی) منہ

[*] حاشیہ بر صفحہ ٣٠

جُدا ہوں اور وہ اپنے اندر موافقت رکھتی ہوں پس یُوَاطِیُٔ اِسْمُہٗ اِسْمِیْ سے یہ پایا جاتا ہے کہ جیسے میرا ایک نام ہے امام مہدی کا بھی ایک نام ہوگا۔ اور اسکے نام کی یہ خصوصیت ہوگی کہ وہ محمدؐ کے نام سے پوری پوری موافقت رکھیگا۔ اور یہ موافقت درحقیقت ایسی صورت میں صحیح ہوسکتی ہے جب اسکا نام احمد ہو۔ اور جیسا کہ امام ترمذی نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ یہ روایت صحیح اور اسکی سند قابل اعتنا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کی اس بین وحی مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ کے ہوتے ہوئے یہ نہ سمجھا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یُوَاطِیُٔ اِسْمُہٗ اِسْمِیْ سے مراد یہی احمد ہے جو قرآن مجید کی اس پیشگوئی کا اصل مدعا ہے اور سوائے اس انسان کے کہ جس کی بعثت مسلمانوں کی اصلاح کے لئے مقصود بالذات ہو۔ اور کوئی دوسرا انسان سورۃ صف کی پیشگوئی اِسْمُہٗ اَحْمَد کا مصداق نہیں ہو سکتا۔

محمدؐ اور احمدؐ دو جداگانہ شخصیتیں ہیں

مسلمانوں کے اس موعود کی جداگانہ شخصیت اور اسکے نام پر دلالت کرنے کے لئے اس پیشگوئی کے سیاق و سباق میں صرف یہی ایک قرینہ نہیں کہ اسمیں نام نہاد مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے بلکہ اس کے علاوہ یہ قطعی قرینہ بھی ہے کہ اسمیں نام نہاد مسلمانوں کو لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ کے الفاظ سے بھی صراحتًا مخاطب کیا گیا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ جب مسلمان لوگ قوم یہود کی طرح اپنے کروہ خیالات اور گھناؤنے افعال کیوجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام و ناموس کے لئے عار ہو جائیں گے اور سرور کائنات کی شان محمدیت ان کے بیہودہ عقائد کیوجہ سے طعن و تشنیع اور گوناگوں ہتک آمیز اعتراضات کا نشانہ بنجائیگی۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور آپکی روح مضطرب ہوگی اور اپنے لئے ایک احمد کا تقاضا کرے گی جو سراپا احمد ہو کر آپؐ کی حمد دنیا میں نئے سرے سے قائم کرے گا۔ لفظ تُؤْذُوْنَنِیْ جس کا مصدر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹) لسان العرب کا مصنف وطاء کے استعمال اور اسکے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے تَاشِیَۃ الیّٰہ بھی آمنۃ وطاء کی تشریح میں یہ معنے پیش کرتا ہے:-

وَھِیَ الْمُوَاتَاۃُ اَیْ مُوَاطَاۃُ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ اِیَّاہُ۔ اور پھر ابن القیم کا قول بطور حوالہ پیش کرکے لکھتا ہے۔

وَقَالَ مَعْنَاہُ اَنَّ سَمْعَہٗ یُوَاطِیُٔ قَلْبَہٗ وَبَصَرَہٗ وَلِسَانَہٗ یُوَاطِیُٔ قَلْبَہٗ وِطَاءً۔ یُقَالُ وَاطَأَ فُلَانٌ عَلَی الْاَمْرِ اِذَا وَافَقَہٗ عَلَیْہِ لَا یَشْتَغِلُ الْقَلْبُ بِغَیْرِ مَا اشْتَمَلَ بِہِ السَّمْعُ ھٰذَا وَاطَاءَ ذَالِکَ

اس تشریح سے اس معنوی موافقت کا پتہ صراحت سے چلتا ہے جسکی بنا پر میں نے قرآن مجید کی پیشگوئی اِسْمُہٗ اَحْمَد کے مطابق یُوَاطِیُٔ اِسْمُہٗ اِسْمِیْ کی اوپر تشریح کی ہے۔ نواب صدیق حسن صاحب اپنی کتاب اقتراب الساعہ میں ایک روایت لکھتے ہیں:- جسمیں مہدی کا نام احمد مروی ہے۔ نیز حضرت نعمت اللہ ولی نے بھی اپنی پیشگوئی میں مسیح اور مہدی کا نام احمد بتلایا ہے۔

؎ مسند احمد بن حنبل ۹۱ مطبوعہ بنارس ۱۳۱۱ ہجری

ایذا سے ہے اَذٰی سے مشتق ہے جس کے معنے گالی دینے کے ہیں گویا مسلمانوں سے اچھے بُرے اور حق و باطل کی تمیز اس طور سے سلب ہو جائیگی کہ وہ اپنے زعم میں جس بات کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خوبی سمجھ رہے ہونگے وہ درحقیقت آپکی شان میں گالی کے مترادف ہوگی۔ وہ اپنی طرف سے سرور کائنات کے لئے میلاد النبی کی مجلسیں قائم کرینگے مگر ان میں جن مزعومہ اوصاف کو آپکی طرف منسوب کرینگے وہ بجائے حمد کے آپکے لئے مذمت کا باعث ہونگی۔ اور کون نہیں جانتا کہ آج محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو مخالفین اسلام کیطرف سے جو گالیاں دی جا رہی ہیں اگر کُلّی طور پر نہیں تو تین چوتھائی وہ گالیاں خود مسلمانوں ہی کی دی ہوئی ہیں۔ یہی مراد ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعُوْدُ کی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے ننگ و ناموس کو بٹہ لگانے والا فتنہ جو برپا ہوگا۔ وہ مسلمانوں کے علماء سے ہی پیدا ہوگا اور اسکا وبال بھی انہی پر پڑے گا۔ انکے انہی مکروہ خیالات اور گھناؤنے کردار کی وجہ سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ محمدیت کا چمکتا ہوا سورج تاریک ہو جائیگا اور خدا تعالیٰ کی غیرت حرکت میں آئیگی۔ اور یہ چاہیگی کہ وہ انسان جو اپنی شان میں سراپا محمد ہے اسکے لئے ایک احمد کھڑا ہو۔ جو آپ کیلئے سراپا احمد یعنی غایت درجہ تعریف کرنے والا ہو۔ جب مسلمانوں کا وجود شانِ محمدؐ کے لئے مذمت کا باعث بنجائیگا اور زمانہ بالکل اور ہو گا۔ تو ظاہر ہے کہ خود محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُسوقت اپنی ذات کے لئے ان معنوں میں احمد نہیں ہو سکتے کہ وہ اپنی تعریف آپ کرنیوالے بنیں۔ ضرور ہے کہ ایسے حالات میں کوئی دوسرا شخص کھڑا کیا جاوے جو غایت درجہ توہین اور مذمت کے داغوں کو دھوکر غایت درجہ حمد۔ جو اسم محمدؐ کے شایان ہے لوگوں کے

حضرت مسیح نے بھی اپنی آمد ثانی کو درحقیقت احمد کی بعثت ہی قرار دیا ہے

درمیان قائم کرے پس مشارٌ الیہ زمانہ کے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک احمد ہو کیونکہ اسوقت بوجہ باطل عقائد اور رکیک خیالات میں مبتلا ہو جانیکے خود مسلمانوں کی طرف سے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام کی حد درجہ توہین و مذمت ہو چکی ہوگی۔ اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ آنیوالا احمد خود محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نہ ہوں بلکہ کوئی دوسرا شخص ہو جو آپکی پیشگوئی یُوَاطِئُ اِسْمُہٗ اِسْمِی کا حقیقی معنوں میں مصداق ہو۔ وہ اپنے نام کے ذریعہ سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کا بول بالا ہو۔ یہاں اگر ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا جائے تو خود بخود معلوم ہو جائیگا کہ یہی اصل مقصود ہے اس پیشگوئی کا

جو حضرت مسیح نے اپنی آمد ثانی کے متعلق کی۔ اور جسے قرآن مجید وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ کے الفاظ میں دُہراتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کی پیشگوئی اپنی آمد ثانی کے متعلق جو اناجیل میں درج ہے اسکی اصل بنا، جیسا کہ میں ابھی بتا چکا ہوں دانیالؑ کی مشہور ومعروف پیشگوئی پر رکھی گئی ہے۔ اور دانیالؑ اپنی اس پیشگوئی میں بتلاتے ہیں کہ اُنیسویں صدی عیسوی کے آخر تک دجّال حق تعالیٰ کے مقدس بندوں سے انکی آسمانی بادشاہت چھین لیگا اور انہیں مغلوب کرلیگا اور انکے خلاف کفر بکے گا۔ اور انکو سخت فتنے میں ڈال دیگا۔ (دانیال ۷: ۲۲-۲۶)

حضرت مسیح علیہ السلام اس پیشگوئی کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن آدم کا آنا اس لئے ہوگا کہ تا حق تعالےٰ کے مقدس بندونکی چھنی ہوئی بادشاہت دوبارہ انہیں واپس دے اور وہ کفر جو انکے خلاف بکا گیا ہے اسکا ازالہ کرے۔ (متی ۲۴)

دانیال علیہ السلام کی پیشگوئی میں حق تعالےٰ کے مقدس بندے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے ساتھیوں کو قرار دیا گیا ہے جن کے ہاتھوں آسمانی بادشاہت کی بنیاد ڈالی گئی اور پیشگوئی کے مطابق روحانی بیت المقدس سے نکالے گئے۔ اس لئے ان دونو پیشگوئیوں کا مفہوم یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے ساتھیوں سے جو چھینا گیا وہ آنیوالے ابن آدم کے ذریعہ بحال کیا جائے گا۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام سے جو چھینا گیا وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو واپس دیا جائیگا۔ اور آپکی قائم کردہ آسمانی بادشاہت جو مسلمانوں سے چھینی جائیگی وہ انہیں واپس ملے گی۔ پس ان معنوں کی رو سے وہ آنیوالا احمد ہوگا۔ اسکے ذریعہ سے شانِ محمدیت اپنی پوری شوکت کیساتھ تمام دنیا کی قوموں میں قائم ہوگی۔ اور کامل طور پر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حمد قائم کرنیوالا ہوگا۔

پس حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشگوئی کہ وہ ابن آدم قدرت اور جلال کے ساتھ بادلوں میں آئیگا اور اسکے ذریعہ سے آسمانی بادشاہت کی اس خوشخبری کی منادی تمام دنیا میں ہوگی تاکہ سب قوموں کیلئے گواہی ہو۔ اور اُسوقت خاتمہ ہوگا۔" (متی ۲۴) یہ شہادت اس بعثت کے متعلق ہے جسکا تعلق پانچویں ہزار سے نہیں بلکہ چھٹے ہزار کے ساتھ ہے جو ہمارا زمانہ ہے۔ اور جس میں مسلمان آسمانی بادشاہت بھی کھو بیٹھے اور زمینی بھی۔ ان دو کھوئی ہوئی چیزوں کو بحال کرنیوالے ابن آدم کا نام عربی زبان میں احمد ہے۔ اور اسی احمد کی پیشگوئی کا اعادہ حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کرتے ہوئے سورہ صف کی آیت مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ میں کیا گیا ہے۔

حضرت مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی اگر سورۃ صف میں نہیں تو اور کہاں ہے

غور کا مقام ہی کہ جب حضرت مسیح نے اپنے بعد دو بعثتوں کی بشارت دی ہی ایک بعثت کو کامل شریعت کا حامل قرار دیا ہی۔ اور دوسری بعثت کو اپنی آمد ثانی سے تعبیر فرمایا اور اسے دجال کے غلبہ اور مسلمانوں کی خستہ حالی کے ساتھ مخصوص کیا ہی۔ اور قرآن مجید پہلی بعثت کا بحوالہ توریت اور انجیل ذکر کرتے ہوئے سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ان پیشگوئیوں کا مصداق ٹھہرا کر بایں الفاظ اعلان فرماتا ہے :-

الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اعراف ع ۱۹) اور تب فرماتا ہی۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝ (فتح آیت ۲۹) ؛

سورۂ اعراف کی محولہ بالا آیت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر بحیثیت کامل شریعت کے حامل کے بحوالہ توریت اور انجیل کی پیشگوئیوں کے کیا گیا ہی سورہ فتح کی اس آیت[۱] میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے آپکے دو قسم کے ساتھیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک صحابہ کا گروہ جو توریت کی پیشگوئیوں کے مطابق جلالی تجلی کے مظہر تھے۔ دوسرے أخَرِينَ مِنْهُمْ کے گروہ جنہیں انجیل کی پیشگوئی کے مطابق جمالی تجلی کا مظہر بتلایا گیا ہے۔ اور زرم کونپل سے تشبیہ دی گئی ہے ؛

---

[۱] سورۂ فتح کی مذکورہ بالا آیت کی ترکیب پر غور کیا جائے ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ کے بعد وقفہ تامہ (قلے) ہی۔ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت میں ٹھہر جایا کرتے تھے۔ اور اس وقفہ تامہ کا مطلب یہ ہی کہ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ یعنی صحابہ کی یہ صفت کہ وہ کفار کے مقابل میں نہایت مضبوط ثابت ہوئے۔ اور یہ کہ وہ ان پر بھاری تھے۔ توریت کی پیشگوئی کے مطابق ہی۔ جیسا کہ استثناء باب ۱۸ میں حضرت موسٰیؑ اپنے مثیل کی پیشگوئی بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ جو اسکی نہیں سنیگا

غرض پہلی آیت میں آقائے نامدار رسول عربی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کا مصداق ٹھہرایا ہے ویسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس پیشگوئی کا بھی مصداق ٹھہرایا ہے جس میں آپ کا نام فارقلیط بتلا کر آپکو کامل شریعت کا حامل قرار دیا گیا ہے پس جیسا کہ حضرت مسیح کی ایک بشارت جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق تھی قرآن مجید میں پوری وضاحت کے ساتھ متعدد بار بیان کی گئی ہے۔ نیز اس کے ساتھ ضمناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جمالی بعثت کا بھی ذکر بحوالہ انجیل مجمل طور پر کر دیا گیا تو اب بتلایا جائے کہ حضرت مسیح کی دوسری بشارت جو اپنی آمد ثانی کے متعلق ہے جس کا ظہور مسلمانوں کے کمزور ہو جانے کے وقت کے لئے مقدر تھا۔ اور جس کی تصدیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اسکا مفصل ذکر اگر سورۂ صف میں نہیں تو قرآن مجید کی اور کس سورۃ میں ہے؟ قرآن مجید کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (نحل ۸۹) یعنی ہم نے تجھ پر کامل کتاب اتاری ہے جو ہر بات کھول کر بیان کرتی ہے اور مسلمانوں کے لئے رہنمائی اور رحمت اور بشارت ہے۔ پس قرآن مجید

بقیہ حاشیہ وہ اسکو سزا دے گا۔ یعنی وہ جلالی شان کے ساتھ آئیگا۔ اور اسی جلالی شان و شوکت اور اسکی ہیبت ناک قہری تجلی کا ذکر دیگر انبیاء بنی اسرائیل بھی کرتے آئے (دیکھو یسعیاہ ۴۲ : ۱۳ اور دانیال ۲ : ۴۵) یہانتک کہ حضرت مسیح نے جو بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں انبیاء کی اس پیشگوئی کے جلالی رنگ میں پورا ہونے کا جب اعلان کیا تو آپ ایک باغ کی تمثیل دینے کے بعد یہودیوں کو سمجھاتے ہیں کہ آخر جب باغ کا مالک آئیگا تو اُن برے آدمیوں کو بری طرح ہلاک کرے گا۔ اور فرماتے ہیں کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا۔ اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لیجائیگی۔ اور اُس قوم کو دیدی جائیگی۔ اور جو اُس پتھر پر گریگا اسے پیس ڈالیگا۔ (متی باب ۲۱)

غرض حضرت مسیح نے توریت کی پیشگوئی کا حوالہ دیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی جلالی تجلی کا بیان کیا ہے۔ جس کا ذکر اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ میں کیا گیا ہے۔ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ کے بعد وقفہ تام جو ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا یہ جلالی وصف توریت میں بیان کیا گیا ہے۔ اسکے آگے مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ کے بعد علامت ج ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ جائز ہے مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ پر بھی ٹھہر جاؤ۔ اس صورت میں اس کا تعلق بھی پہلی آیت کے ساتھ ہوگا۔ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس جلالی وصف کا ذکر انجیل میں بھی ہوا ہے۔ نیز علامت ج کا یہ بھی مفہوم ہے۔ اور جائز ہے کہ یہاں نہ ٹھہرو۔ بلکہ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ کو اگلے حصہ سے یعنی

کا اپنے اس دعویٰ کے مطابق فرض تھا کہ وہ مسلمانوں کی آڑے وقت میں رہنمائی کرتا اور انہیں وہ بشارت دیتا۔ جو انکی کمزوری کے زمانہ کے لئے مخصوص تھی۔ اس سوال کا جواب ان لوگوں کے ذمہ ہے جو اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت مسیحؑ کی اِسمہٗ احمد والی بشارت اس مسیح موعود کے متعلق ہے جس نے مسلمانوں کی تباہی کے وقت انکی اصلاح کے لئے مبعوث ہونا تھا۔ انکا فرض ہے کہ قرآن مجید میں سے ہمیں دکھلائیں کہ حضرت مسیحؑ کی دوسری بشارت کا جسکی تصدیق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہاں ذکر ہے؟ اور انکے پاس اس سوال کا یقیناً کوئی جواب نہیں۔ سوائے اسکے کہ یہ کہدیا جاوے کہ یہ ضروری نہیں کہ قرآن مجید حضرت مسیحؑ کی دونوں پیشگوئیوں کا ذکر کرے۔ ایسے جواب میں جو معقولیت ہو سکتی ہے وہ خود اس جواب سے ظاہر ہے۔ جس کے بالفاظ دیگر یہ معنے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی پہلی بشارت تو جسکا تعلق یہودیوں اور عیسائیوں کی گمراہی اور انکی اصلاح کے ساتھ تھا قرآن مجید میں بیان کی گئی۔ تا یہ لوگ بچ جائیں۔ مگر دوسری بشارت کا ذکر جس کا تعلق مسلمانوں کی گمراہی اور اصلاح کے ساتھ تھا قرآن مجید میں کیا جانا ضروری نہ تھا۔ خصوصاً جب کہ وہ یہ دعویٰ بھی کر رہا ہو کہ تبیاناً

(بقیہ حاشیہ) ۔ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ ۔ سے ملا کر پڑھو۔ اس صورت میں اسکے یہ معنے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا ایک اور وصف انجیل میں بھی بیان ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ موسم خزاں کے بعد نرم کونپلوں کی طرح ان کا آغاز ہوگا۔ اور رفتہ رفتہ وہ غایت خوبصورت اور تناور درخت بن کر اپنی جمالی اور جلالی دونوں شاخوں کے ساتھ نظر آئیں گے۔ انکی جمالی شان کو دیکھ کر کسان خوش ہونگے۔ اور ان کی جلالی شوکت کے سامنے کفار کچھ نہ کر سکیں گے سوائے اسکے کہ دل میں کُڑھیں۔ اللہ تعالیٰ یہ حتمی وعدہ کر چکا ہے کہ وہ اس طرح اپنے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دین حق کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر رہے گا :

نیز بالا آیت کی اس لطیف ترتیب کے پیشِ نظر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ :-

"حضرت موسیٰؑ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنی جمالی شان کے مناسب حال جلالی تجلی کی پیشگوئی کی جو صحابہ رضؓ کے ذریعہ سے پوری ہوئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ فتح میں بحوالہ توریت اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ اس کا ذکر فرماتا ہے اور حضرت عیسیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک جمالی تجلی کے متعلق پیشگوئی کی جس سے ایک اور قوم کی طرف اشارہ کیا ہے جو اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کے مصداق ہیں اور جن کا امام مسیح موعود ہے۔ بلکہ اسکا نام بھی احمد صراحتاً بتلا دیا۔ حضرت مسیحؑ نے اس امام کی بعثت کو ایک نرم کونپل سے تشبیہ دی ہے جسکی طرف اللہ تعالیٰ سورۃ فتح میں بحوالہ انجیل کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ کہکر اشارہ فرماتا ہے" (اعجاز المسیح طبع اول صفحہ ۱۲۲-۱۲۳ - نیز تحفہ گولڑویہ طبع اول ص۱۵۷) اسکے یہ معنی ہیں کہ اسکا ظہور ابتداءً ایک نرم سبزہ کی طرح ہوگا جسکے ساتھ بہت سی کمزوریاں اور خطرے ہوتے ہیں۔ مگر وہ رفتہ رفتہ ترقی کرتے کرتے جلالی

لِکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ۰ ایک فہیم انسان اس قسم کے جواب سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ عذر کسقدر نامعقول اور قابل اعتراض ہوگا کہ قرآن مجید نے حضرت مسیح کی دوسری بشارت کی صراحت کہیں بھی نہیں فرمائی اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہی تھی۔ تعجب کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے بارہ میں حتمی پیشگوئیاں فرمائی ہوں اور وہ اُمت پیشگوئیوں کے مطابق بگڑ بھی گئی ہو۔ اور سورۃ کہف میں جہاں دجال کے خطرہ سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا ہے خصوصیت سے مومنوں کے لئے بشارت کا بھی اعلان فرمایا گیا ہو۔ مگر بایں ہمہ یہ کہا جائے کہ مسیحؑ کی اس دوسری پیشگوئی کا قرآن مجید میں ذکر کرنا ضروری نہ تھا۔ گو قرآن مجید نے انذاری پیشگوئی تو کر دی ہے مگر رہنمائی اور رحمت اور بشارت کے سامانوں کا ذکر ترک فرما دیا ہے۔ یہ صدورجہ کی غباوت ہوگی۔ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی مسلمانوں کے دل میں یہ خیال گزرے کہ قرآن مجید نے انکی گمراہی کا تدارک نہیں فرمایا۔ یقیناً تدارک فرمایا ہے اور ایک کامل سورۃ نازل فرمائی ہے جس میں شروع سے لیکر آخر تک جادۂ استقامت سے بھٹکے ہوئے مسلمانوں کو مخاطب کر کے ایک ایک آیت میں انکے لئے رہنمائی اور بشارت کا کامل سامان رکھ دیا ہے اور انکو واضح الفاظ میں احمد رسول کی بشارت دی ہے۔

بعض لوگ مِنْ بَعْدِی پر بڑا زور دیا کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے اپنے بعد آنیوالے رسول کا نام احمد بتلایا ہے۔ اور چونکہ حضرت مسیحؑ کے بعد آنیوالے رسول آنحضرت

(بقیہ حاشیہ) شان میں ظاہر ہوگا۔ انجیل متی باب ۲۴ میں مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی مفصل علامات کے ساتھ مذکور ہے۔ اس پیشگوئی کا ذکر کرنیکے بعد ہی حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں۔ "اب انجیر کے درخت سے ایک تمثیل سیکھو جونہی اسکی ڈالی نرم ہوتی اور پتے نکلتے ہیں تم جان لیتے ہو کہ گرمی نزدیک ہے۔ اسی طرح جب تم ان سب باتوں کو دیکھو تو جان لو وہ نزدیک بلکہ دروازے پر ہے۔" (۳۲) لوقا باب ۲۱ میں بھی یہی آمد ثانی کی پیشگوئی مذکور ہے۔ اور وہاں بھی اس تمثیل کا ان الفاظ میں ذکر ہے۔ "انجیر کے درخت اور سب درختوں کو دیکھو۔ جونہی ان میں کونپلیں نکلتی ہیں تم دیکھ کر آپ ہی جان لیتے ہو کہ اب گرمی نزدیک ہے۔ ۔ ۔ ۔ الخ" غرض انجیل کی اس تمثیل کا حوالہ سورۃ فتح میں دیا گیا ہے۔ چونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اس تمثیل سے صراحتاً اپنی آمد ثانی کی علامتوں کا علم دیا ہے۔ اس لئے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سورۃ فتح کی محولہ بالا آیت سے نہایت لطیف استدلال کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر خزاں کا زمانہ آنا اور نئے سرے سے اسکی کونپلیں پھوٹ کر ایک تن آور درخت بنجانا ازل سے مقدر تھا۔ اور اس کے لئے اسم احمد کی جمالی تجلی مخصوص تھی۔ یہ لطیف نکتہ نہ بھولا جائے۔ اور سورۃ فتح کی آخری آیات کی لطیف ترکیب پر غور کیا جائے۔ منہ

جملہ مِنْ بَعْدِیْ قطعاً دلالت نہیں کرتا کہ بلحاظ اسم ذات احمد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

ہی ہیں اس لئے انہی کا نام احمد ہے[۱] اوّل تو آپؐ کا ذاتی نام احمد نہیں بلکہ محمد ہے۔ اور دوسرے یہ کہ حضرت مسیحؑ نے جن دو بعثتوں کے متعلق بشارت دی ہے وہ دونو حضرت مسیحؑ کے بعد ہی ہیں۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی اور خود انکی آمد ثانی کی بعثت بھی۔ اور جملہ مِنْ بَعْدِی ایک ممتد زمانہ پر دلالت کرتا ہے نہ بلا فصل بعد پر جس کے لئے بَعدی کا جملہ ہے۔ اس لئے اب ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم عقل وفکر سے کام لیتے ہوئے دیکھیں کہ سورۂ صف کے نفسِ موضوع اور آیات کے سیاق وسباق کے اعتبار سے ان دو بعثتوں میں سے کونسی بعثت یہاں مراد ہے؟ کیا وہ بعثت جس کا ظہور یہودیوں اور عیسائیوں کے بگڑنے کے وقت مقدر تھا یا وہ بعثت جو کہ مسلمانوں کے لئے مقصود بالذات تھی؟ یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس سے ہر ایک شُبہ اور بحث کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اور میں اسی ایک اصل کو سامنے رکھ کر اب ان آیات کی تشریح اور تطبیق کو لیتا ہوں جو اسمہٗ احمد کے بعد ہیں۔ ان میں سے ہر ایک آیت اسی ایک مرکزی نقطہ کی تائید مزید وضاحت اور قوت کیساتھ کرتی جاتی ہے۔ یہانتک کہ آخر میں انسان کے لئے شک وشبہ کے لئے ذرہ بھر گنجائش نہیں چھوڑتی اور اسے کامل یقین کے مقام پر کھڑا کردیتی ہے۔ کہ یہ سورۃ ہمارے زمانہ کے لئے ایک عظیم الشّان پیشگوئی ہے اور قرآن مجید کے جو علّام الغیوب خدا کا کلام ہے اعجازی نشانات میں سے یہ سورت بھی ایک بہت بڑا نشان ہے ۞

---

[۱] مفسرین نے اسمہٗ احمد کی تطبیق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ثابت کرنے کے لئے بخاری اور مسلم وغیرہ محدّثین کی اس قسم کی روایتوں کا حوالہ دیا ہے۔ اِنَّ لِیْ اَسْمَآءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَّاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا مَاحِیَ الَّذِیْ یَمْحُوا اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ وَاَنَا حَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ (بخاری جز ۴ و ۶) یعنی میرے متعدد نام ہیں۔ میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں۔ اور میں حاشر ہوں میرے قدموں پر تمام لوگ اکٹھے کئے جائیں گے۔ اور میں ماحی ہوں میرے ذریعہ کفر مٹایا جائیگا
اِن روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی نام نہیں گنے بلکہ صفاتی نام گنے ہیں۔ جنہیں محمد اور احمد کو بھی شمار کیا ہے۔ یعنی معنے کے لحاظ سے بھی آپؐ پر محمد کا نام اسی طرح صادق آتا ہے جیسے آپؐ کا ذاتی نام محمد آپؐ پر صادق آتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ حاشر۔ ماحی۔ احمد آپؐ پر اسی طرح بطور ذاتی نام کے بھی صادق آئیں جیسے صفاتی طور پر۔ کیونکہ یہ نام آپؐ کے ذاتی نہیں۔ یعنی پیدائش کے وقت نہیں رکھے گئے۔ چنانچہ امام محمد شوکانیؒ جو اکابر ائمہ محدّثین ومفسرین میں سے ہیں اپنی مشہور تصنیف فوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعہ

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ کا جملہ مستقل اور حتمی قرینہ نہیں کہ احمد سے کون مراد ہے؟

اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ کے بعد ایک وقفہ ہے جس کے بعد بطور استطراد کے اصل مضمون شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ پس جب یہ احمد انکے پاس بینات یعنی کھلے کھلے براہین اور دلائل لیکر آگیا تو لوگوں نے کہدیا کہ یہ تو صریح جھوٹ ہے ۔

ہمارے بعض دوست اس آیت کی اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ کے مضمون کے ساتھ مطابقت ثابت کرنیکی غرض سے یہ کہدیا کرتے ہیں کہ احمد سے مراد یہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ مسیح موعود ہیں کیونکہ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فرمایا ہے۔ بینات دلائل اور براہین ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے احکام شریعت کی تشریح اور نبوت اور روحانیت کے تمام مسائل کی تصدیق و تائید کیجاتی ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحب شریعت نبی تھے اور آپ کتاب لائے تھے یہاں اگر احمد سے آں حضور ہی مراد ہوتے تو یوں فرمانا چاہیئے تھا فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْكِتٰبِ۔ کتاب کا لفظ چھوڑ کر بینات کا لفظ اسی لئے اختیار کیا گیا ہے کہ یہاں احمد سے مراد مسیح موعود ہی جس کا بڑا کام یہ ہوگا کہ دلائل و براہین کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی تائید اور اشاعت کرے ۔

یہ توجیح فی ذاتہٖ ناقص اور دوسرے قرائن کی محتاج ہے کیونکہ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی اور رسول کو خواہ وہ صاحب شریعت ہو یا غیر صاحب شریعت بینات دی گئیں۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَاسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (نحل ۴۴) ۔ اور فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ

(بقیہ حاشیہ) مطبوعہ لاہور کے صفحہ ۱۴۶ پر فرماتے ہیں۔ وَمِنْهَا الْاَحَادِيْثُ الَّتِيْ تَرِدُ فِيْ تَسْمِيَتِهٖ اَحْمَدَ لَا يَثْبُتُ مِنْهَا شَيْءٌ یعنی موضوع روایتوں میں وہ روایتیں بھی ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام احمد رکھا گیا تھا۔ ان سے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ حسان بن ثابت کے شعر

صَلَّى الْاِلٰهُ وَمَنْ يَّحُفُّ بِعَرْشِهٖ ۔ وَالطَّيِّبُوْنَ عَلَى الْمُبَارَكِ اَحْمَدَ

سے استدلال پکڑنا بھی مفید مدعا نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اس سے یہی ثابت ہوگا کہ یہاں سرور کائنات کا ایک عمدہ وصف کیساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ نہ یہ کہ آپکو بوجہ آپکے ذاتی نام کے احمد کہا گیا ہے ۔ منہ

لَمُسْرِفُوْنَ ۝ (مائدہ: ۳۲) اور فرماتا ہے۔ قُلْ قَدْ جَآءَ کُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ کَذَّبُوْکَ فَقَدْ کُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ ۝ (آل عمران: ۱۸۲۔۱۸۳)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام رسول بیّنات لیکر آیا کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ جو صاحب شریعت تھے انکے متعلق فرماتا ہے۔ فَلَمَّا جَآءَ کُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ یعنی موسیٰ تمہارے پاس بیّنات لیکر آئے۔ اور پھر تم نے گوسالہ کو معبود بنا لیا۔ یہاں کتاب کا ذکر نہیں بلکہ صرف بیّنات کا ذکر کیا ہے۔ ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صاحب شریعت تھے۔ اور بعض جگہ آپکی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے صرف بیّنات کا لفظ استعمال کیا ہے۔ نہ صرف یہ کہ بلکہ قرآن مجید کو بھی جو کتاب شریعت ہے بیّنات قرار دیا ہے۔ جیسے فرماتا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ (بقرہ ۱۸۵) پس جب بیّنات تمام رسولوں کے لئے قطع نظر اس کے کہ وہ کتاب لائے ہوں یا نہ۔ عام ہے۔ اور جبکہ بیّنات قرآن مجید کو بھی قرار دیا گیا ہے تو ہمارے دوستوں کا فَلَمَّا جَآءَ هُمْ بِالْبَیِّنٰتِ سے یہ استنباط کرنا کہ یہاں محض دلائل اور براہین مراد لئے گئے ہیں۔ ایک ایسا استنباط یا قرینہ قائم کرنا ہے۔ جو کمزور ہے اور اسے تقویت حاصل نہیں ہو سکتی جبتک کہ دوسرے قرآن سے اسکی تائید نہو۔ میں ایسے کمزور قرائن پیش نہیں کروں گا۔ بلکہ ان آیات بیّنات کو پیش کروں گا۔ جو اپنے مفہوم میں ناطق اور قطعی ہیں۔ اور نیز اپنی وضاحت کے اعتبار سے اتنے قوی ہیں کہ انکی موجودگی میں اس قسم کے کمزور قرینوں سے استدلال کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی ؎

نہایت ہی قوی اور پہلا قرینہ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ احمد سے مراد مسیح موعودؑ ہیں

ان آیات بیّنات میں سے ایک آیت یہ ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ وَهُوَ یُدْعٰی اِلَی الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ یہ آیت بھی اسی طرح صراحت کیساتھ احمد کی معیّن شخصیت پر دلالت کرتی ہے جس طرح کہ اسمہٗ احمد سے پہلے کی چھ آیات دلالت کرتی ہیں۔ اور اس ضمن میں یہ آیت ساتویں دلیل ہوگی کہ احمد سے مراد باعتبار ذاتی نام کے آنحضرت صلعم نہیں بلکہ مسیح موعودؑ ہیں۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ایسے شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا۔ جو اللہ پر جھوٹی باتیں افترا کرتا ہے۔ اور جسے اسلام کیطرف

بلایا جارہا ہے اور اللہ ظالم لوگوں کی کبھی رہنمائی نہیں کرتا ؛

اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ کا مفہوم

قبل اس کے کہ اس آیت کی سابقہ آیات کے ساتھ مطابقت واضح کیجائے اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ کے مفہوم پر کچھ کہنا ضروری ہے بعض لوگ اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ سے جھوٹی وحی مراد لیتے ہیں اور بعض باطل عقائد۔ جیسے مسئلہ الوہیت یا ابنیتِ مسیح۔ یا ایسا ہی حلت و حرمت کے احکام جو مشرکین نے اپنی طرف سے بنا کر خیال کر لیا ہے کہ یہ وہ شرعی مسائل ہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہوا ہے۔ قرآن مجید ان دونو باتوں کو اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ سے تعبیر کرتا ہے۔ خواہ کوئی جھوٹا مدعی وحی و نبوت ہو یا جھوٹے مسائل بنانیوالا ہو۔ چنانچہ ایک جگہ سورۂ انعام میں فرماتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ یعنی اُس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتا ہے یا اسکی آیات کو جھٹلاتا ہے۔ یہ بات قطعی ہے کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوا کرتے۔ نیز قرآن مجید میں اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ سے باطل عقائد بھی مراد لئے گئے ہیں جو درحقیقت اہل کتاب یا مشرکین کا ساختہ پرداختہ ہیں شریعتِ الٰہی سے انہیں دُور کا واسطہ بھی نہیں جیسے اللہ تعالیٰ سورۂ نحل میں حلت و حرمت کا بیان کرنیکے بعد اہل کتاب کے من گھڑت احکام کا ذکر بایں الفاظ فرماتا ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ ھٰذَا حَلٰلٌ وَّھٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۔ یعنی جو جھوٹی باتیں تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں اُنکے متعلق یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔ اس طرح تم اللہ پر جھوٹ افترا کروگے۔ جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوا کرتے۔ اِسی قسم کے اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ کا ذکر سورۂ آل عمران: ۹۲، ۹۳ اور سورۂ یونس: ۵۹، ۶۰ میں ہے۔ قرآن مجید نے اس اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ میں یہودیوں کا مسئلہ بھی شمار کیا ہے کہ وہ سیدھے جنت میں جائیں گے اور یہ کہ آگ انہیں نہیں چھوئیگی (سورۂ نحل: ۱۰۵) اور اسی اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ میں انکے جھوٹے فتووں کو بھی شامل کیا ہے جو وہ عند الضرورت بنا لیا کرتے تھے (سورۂ عمران: ۷۷) اور اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ میں ان کا یہ باطل عقیدہ بھی شمار کیا ہے کہ غیر مذاہب والوں کے اموال دبا لینا جائز ہے (سورۂ عمران: ۷۴) ایسا ہی اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ میں انکا یہ عقیدہ بھی شمار کیا ہے کہ وہ ایک پاک اور برگزیدہ جماعت ہیں۔ گناہ اُنکی پاکیزگی پر اثر انداز نہیں ہو سکتا (سورۂ نساء: ۴۹) ؛

مشرکین کے عقائد باطلہ اور بتوں کی پوجا پاٹ اور استھانوں پر نذر و نیاز کے مسائل بھی اسی اِفْتَرٰی عَلَى اللّٰہِ الْکَذِبَ کی فہرست میں شامل کئے گئے ہیں۔ (سورۃ مائدہ ۵: ۱۰۳ و انعام: ۱۴۵) نیز عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت مسیح کو بھی اسی اِفْتَرٰی عَلَى اللّٰہِ الْکَذِبَ میں شامل کیا ہے۔ (سورۂ یونس: ۶۸ و ۶۹)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی کا موضوع عام ہے

غرض دونو قسم کے جھوٹ اِفْتَرٰی عَلَى اللّٰہِ الْکَذِبَ میں مراد ہیں۔ خواہ جھوٹے مسائل شریعت کا بنانا ہو یا وحی اور الہام کا جھوٹا دعویٰ کرنا ہو۔ سورۂ نحل رکوع ۱۴ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت اور قرآنِ مجید کی وحی کا مفصل ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ۔ جھوٹ تو وہ لوگ افترا کیا کرتے ہیں۔ جو آیات اللہ کو نہیں مانتے اور وہی لوگ جھوٹے ہوتے ہیں۔

اب قابلِ حل سوال یہ ہے کہ سورۂ صف کی آیت وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰہِ الْکَذِبَ وَھُوَ یُدْعٰٓی اِلَى الْاِسْلَامِ کا روئے سخن کس کی طرف ہے؟ جیسا کہ میں ابھی واضح کر چکا ہوں اِفْتَرٰی عَلَى اللّٰہِ الْکَذِبَ سے جھوٹا دعویٰ وحی و نبوت بھی مراد ہے! اور اہل کتاب و مشرکین کے باطل عقائد بھی۔ اس لئے سورۂ صف کی مذکورہ بالا آیت مدعی اور اسکے مکذبین دونوں کا جھوٹ یا سچ پرکھنے کے لئے ایک مشترکہ معیار ہے! اس میں مدعی کے لئے بھی یہ احتمال ہے کہ وہ اِفْتَرٰی عَلَى اللّٰہِ کر رہا ہو۔ اس صورت میں وہ ایسا مدعی ہوگا جس کے متعلق یہ خیال بھی ہو کہ گویا وہ تارک اسلام ہے اور اسکے مخالفین اس کو تلقین کر رہے ہیں کہ اسلام کی طرف آؤ۔ اس اعتبار سے احمد سے مراد محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ تو داعی الی الاسلام تھے نہ کہ مدعو الی الاسلام۔ یعنی آپکو کسی نے دعوت اسلام نہیں دی۔ پس احمد سے اس موقعہ پر وہی مدعی مراد ہو سکتا ہے جو مسلمانوں میں مبعوث ہوا اور جس کے متعلق یہ خیال کیا جائے کہ یہ تارکِ اسلام ہے! اور جو اسلام کی طرف بلایا جائے! اور جیسا کہ اس آیت میں مدعی کے افترا

پیش کردہ معیار حق و باطل مشترکہ اور عام ہے نہ کہ محدود و مخصوص

علی اللہ کرنے کا احتمال ہے اسیطرح اسکے مکذبین کے افترا علی اللہ کرنے کا بھی احتمال ہے۔ پس اس مشترکہ معیار کے ذریعہ سے دونو صورتیں ٹھیک اترتی ہیں۔ اگر یہ احمد مفتری ہے تو اسکے متعلق الزام مدیں وجہ اور بھی زیادہ سنگین ہو جاتا ہے کہ

وہ تارکِ اسلام بھی ہے۔ اور علماء اسے دعوتِ اسلام دے رہے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس کے مکذبین نے برخلاف اسلام باطل عقائد اختیار کر لئے ہیں۔ تو ان کا یہ جرم اور بھی زیادہ سنگین ہو جاتا ہے کہ باوجود اس کے کہ انہیں حقیقی اسلام کی طرف دعوت دی جا رہی ہے محض ضد کی وجہ سے ایک صادق کی مخالفت سے باز نہیں آتے۔ اس صورت میں یہ ظالم ہیں اور کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

پس حق و باطل کا یہ ایک ایسا معیار ہے جو دونو فریق۔ مدعی اور مخالفین مدعی پر یکساں چسپاں ہوتا ہے۔ یہاں یہ اصرار کرنا کہ افترا علی اللہ الکذب سے صرف باطل عقائد مراد ہیں یہ قرآن مجید کے منطوق سے عمداً آنکھیں بند کرنا ہے جب قرآن مجید افتراء علی اللہ سے دونو قسم کے افترا مراد لیتا ہے تو اس آیت کے مفہوم کو صرف ایک قسم کے افترا پر محدود کر دینا قطعاً جائز نہیں۔ خصوصاً اسلئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید جب بھی مدعی نبوت کا ذکر کرتا ہے تو اس کے صدق یا کذب کا معیار بیان کرتے وقت ہمیشہ اس معیار میں اسکے مخالفین کو بھی شریک کرتا ہے۔ یعنی ایک ہی معیار سے دونو کو پرکھتا ہے۔ کبھی ایسا معیار پیش نہیں کرتا جو صرف ایک فریق کے لئے مخصوص ہو۔ کیونکہ ایسا کرنے سے میزان عدل و انصاف قائم نہیں رہ سکتا۔ قرآن مجید نے سات جگہ مدعی نبوت کا ذکر مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا سے کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ یا کَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَہٗ کہکر اس مدعی کے مخالفین کے صدق اور بطلان کو بھی اسی ایک معیار سے جانچنے کی تلقین فرمائی ہے۔[۱]
پس کوئی وجہ نہیں کہ سورۂ صف میں یہ اصول نظر انداز کر دیا جائے ؏

اس معیار کو مخصوص کرنے کی اگر کوئی وجہ ہو تو صرف مدعی کیلئے

اور اگر مدعی اور اسکے مخالفین میں سے کسی ایک فریق کو نظر انداز کر کے دوسرے فریق کے لئے کوئی تخصیص ہی پیدا کرنی ضروری ہے تو پھر اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ کا جو موضوع ہے اسے سورۂ صف کی اس آیت سے نظر انداز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی مخصوص آیت میں اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ کو خلاف معمول نظر انداز کر دیا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ جس شق کو اللہ تعالیٰ نظر انداز کرے وہ تو ملحوظ رکھی جائے۔ اور جس شق کا نمایاں طور پر ذکر کرے وہ حذف کر دی جائے۔ اور کہا جائے کہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ سے مراد صرف مکذبین ہی ہیں خصوصاً ایسی صورت میں یہ نظر اندازی ایک مجرمانہ خیانت ہوگی

[۱] اعراف: ۳۷- یونس: ۱۷- ھود: ۱۳ و ۱۸- عنکبوت: ۱۸- انعام: ۲۱ و ۹۴- زمر: ۳۲ ؏

جب کہ اس آیت میں مَنْ کے لئے جو ضمیر اور صیغہ اختیار کیا گیا ہے وہ بجائے ھُمْ یُدْعَوْنَ کے ھُوَ یُدْعٰی، ہے جو مفرد ہے۔ اس آیت کا موضوع اہل کتاب یا مشرکین کو خاص طور پر قرار دینا در حقیقت فصاحت و بلاغت کو داغدار بنانا ہے۔ اگر اس میں اہل کتاب ہی مراد و مخاطب تھے اور مُدعی نبوت نہیں تھا تو پھر فصاحت و بلاغت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابہام اور شک کو دُور کرتا اور ضمیر اور صیغہ جمع کا رکھتا۔ جیسے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ کے بعد اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ[1] میں اُولٰٓئِكَ جمع رکھ کر مکذبین یعنی وہ عباد صنم مراد لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو ایک صادق مدعی کے مدمقابل بن کر جھٹلاتے ہیں۔ اور ان کے حق میں پیشگوئی کی ہے۔ پس جب ضمیر جمع (ھُمْ) رکھی جا سکتی تھی۔ اور اسکا رکھنا مفروضہ موقعہ و محل کے لحاظ سے انسب تھا۔ تا ابہام دُور ہو کر آیت کا اصل موضوع واضح ہو جاوے۔ لیکن بایں ہمہ ضمیر (ہُم) کو نہ اختیار کرنا بلکہ ضمیر مفرد (ھُوَ) استعمال کرنا بتلاتا ہے کہ اسمیں پیش کردہ معیار پر کھنے کے لئے سب سے مقدم مدعی ہے۔ لیکن جیسا کہ میں ابھی بتلا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا جو حکیم ہے۔ اور جس کے کلام میں ایک شعشہ بھی حق و حکمت سے خالی نہیں۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ کے اسلوب کو جو ہر جگہ اختیار کیا ہے یہاں مخصوص طور پر ترک کر دینا اور اسکی بجائے ایک ایسا اسلوب اختیار کرنا جو مُدعی اور اس کے مکذبین دونو کے لئے یکساں طور پر مشترکہ ہے۔ صاف بتلاتا ہے کہ وہ اس معیار کے سامنے ان دونو فریقوں میں سے کسی ایک فریق کی تخصیص نہیں چاہتا۔ بلکہ اس معیار کو بطور ایک دو دھاری تلوار کے پیش کرتا ہے جو دونو کو اگر وہ جھوٹے ہیں سلامتی میں نہیں چھوڑتی۔ پس یہ آیت اپنے صاف اور واضح معانی کے رو سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے متعلق تو کسی بحث کے اٹھائے جانیکی گنجایش ہی نہیں دیتی بلکہ ایسے مدعی اور اسکے مخالفین کا رد کرتی ہے جن کا اسلام میں ہونا یا نہ ہونا زیر بحث و تحقیق ہے۔ انمیں سے ہر ایک بزعم خود دوسرے کو تارک اسلام سمجھتے ہوئے اسلام کی دعوت دے رہا ہے صرف اسی ایک صورت میں آیت کا مضمون بحیثیت ایک منصفانہ معیار کے قائم رہ سکتا ہے۔ اسکے بغیر نہیں۔ بیشک یہود اور عیسائی بھی اپنے عقائد باطلہ کے اعتبار سے مفتری علی اللہ الکذب قرار دئے جا سکتے ہیں اور وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام کے مخاطب بن سکتے ہیں۔ اور اس طرح معیار کا ایک پہلو درست بیٹھتا ہے۔

[1] اعراف: ۳۷

مگر احمد سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مراد لینے میں معیار کا دوسرا پہلو درست نہیں بیٹھتا۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بلحاظ نام کے احمد تھے اور نہ وہ مدعو الی الاسلام تھے پس یہ حق و باطل کا معیار کیسا جو صرف ایک فریق کے ساتھ مخصوص ہے ؟

اس معیار میں اگر تخصیص کی کوئی وجہ ہے تو اسکا روئے سخن سب سے پہلے مسلمانوں کیطرف ہے

علاوہ ازیں جب اس سے قبل آیات میں یہودیوں اور عیسائیوں کو خصوصیت سے خطاب ہی نہیں کیا گیا تو انہیں اس معیار کے نیچے خصوصیت سے لانے کے کیا معنے ؟ اور یہ کیسا صریح تحکم ہے کہ آیات ماسبق میں نام نہاد مسلمانوں کو بالخصوص مخاطب کیا جائے مگر اِسْمُہٗ اَحْمَد کے مابعد کی آیات میں بجائے مسلمانوں کے صرف اہل کتاب۔ عیسائی اور یہود مراد لئے جائیں۔ اگر کسی کی تخصیص کرنا ہی ضروری ہے تو پھر وہ مسلمان جو آیات ماسبق میں اسلام سے برگشتہ قرار دئے جا چکے ہیں۔ اور جن کا ذکر سورۃ کے شروع سے لیکر اِسْمُہٗ اَحْمَد تک ہوتا چلا آیا ہے اور جنہیں اللہ تعالیٰ یہود کی صف الحاد میں کھڑا کرتا ہے۔ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ میں پہلے شریک کئے جانے چاہیئے تھے۔ جب وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْفَاسِقِیْنَ سے مراد مثیلان یہود ہیں تو وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ میں قوم ظالم سے وہی مسلمان کیوں مراد نہ لئے جائیں؟ پس چاہیئے تو یہ تھا کہ سب سے پہلے احمد مبعوث کے مخاطب نام نہاد مسلمان ہوتے۔ لیکن اس اسلوب بیان کے تقاضا کے خلاف انہیں چھوڑ کر یہودیوں اور عیسائیوں کو مخصوص طور پر مخاطب مراد لینا خبط عشواء نہیں تو اور کیا ہے؟ قواعد معانی اور بلاغت کے لحاظ سے نہ یہ حسن التفات ہے اور نہ یہ کوئی باموقع استطراد۔ بلکہ یہ ایک بے جوڑ اور بھونڈا کلام ہوگا جسے ذوق سلیم دھکے دیتا ہے ؛

پیش کردہ معیار کی صحیح تطبیق

معیار تو ایسا ہونا چاہیئے جو عام ہو۔ اور جب معیار ایسا ہے کہ ایک طرف سے وہ مدعی رسالت احمد مسیح موعود پر بھی اسی خوبی سے چسپاں ہونا جس خوبی کے ساتھ اسکے مخالفین پر۔ خواہ اس کے زمانے کے نام نہاد مسلمان ہوں یا دوسرے لوگ عیسائی۔ یہود یا مشرکین ہوں سب کے سب اسکی دعوت الی الاسلام کے مخاطب بن سکتے ہیں۔ اور اپنے اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ اور وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ کے معیار اور بدانجام کے اسی طرح مصداق ہو سکتے ہیں۔ جیسے مدعی احمد۔

بشرطیکہ وہ مفتری اور اسلام سے روگردان ہو پس اس ہمہ گیر اور نہایت عادلانہ معیار کو چھوڑ کر اپنے خیال کی پیچ میں اسے او صوری شکل وصورت دیدینا قطعاً دیانتداری نہیں آ مذکورہ بالا آیت باعتبار اپنے الفاظ کے عمومیت کا اسلوب رکھتی ہے اور کسی قسم کی تخصیص نہیں چاہتی۔ نہ اسکے الفاظ میں کوئی ایسا قرینہ ہے اور نہ اسکے معانی میں کوئی صورت تخصیص ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کس صورت میں کونسا مفہوم آیت کے سیاق وسباق پر ہر پہلو سے ٹھیک بیٹھتا ہے؟ کیا اس آیت کو عام رکھنے کی سورت میں۔ جو قرآن مجید کا متعارف اسلوب ہے یا خاص رکھنے کی صورت میں؟ جس کی سوائے اس کے کوئی وجہ یا ضرورت نظر نہیں آتی کہ بعض لوگوں کی محض یہ خواہش ہے کہ احمد سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی لئے جائیں۔ خواہ سیاق وسباق کے ساتھ اس آیت کا کوئی تعلق ثابت ہو یا نہ۔ اسکا پیش کردہ معیار صحیح اترے یا نہ۔ پس یہی ایک امر ہمارے نزاع کے لئے فیصلہ کن ہے کہ احمد سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لینے میں نہ تو پہلا مضمون درست بیٹھ سکتا ہے اور نہ بعد کا۔ اور اگر مسیح موعود کی بعثت مراد لیجائے تو تمام آیات ایک ہی لڑی کے خوبصورت اور پیہم حلقے دکھائی دیتے ہیں۔ جن کے درمیان طبعی اور غیر منفک تعلق ہے۔ اور وہ ایسی محکم ترتیب پر مبنی ہیں جس سے نہ صرف قرآن مجید کے ان معارف کا پتہ چلتا ہے جو عظیم الشان پیشگوئیوں پر مشتمل ہیں بلکہ اس کی فصاحت و بلاغت بھی ایک آبدار آئینہ کی طرح چمکتی اور اپنے اندر علم الٰہی کی معجزانہ تجلیات دکھاتی ہے۔ اس کے الفاظ میں خفیف سا تصرف بھی پُرحکمت معانی رکھتا ہے۔ اور سورۂ صف میں اس قسم کے نہائت بلیغ اور حکیمانہ تصرفات کے نمونے متعدد ہیں۔ اگر مضارع کا صیغہ یُسَبِّحُ چھوڑ کر سَبَّحَ کا صیغہ ماضی اختیار کیا ہے تو اس امر پر دلالت کرنے کے لئے کہ اس عنوان سے زمانہ فترت کا اعلان کرنے جو آیندہ آنیوالا تھا۔ اگر اہل کتاب کو چھوڑ کر نام نہاد مسلمانوں کو مخاطب کیا ہے تو اس لئے کہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو کہ اس زمانہ فترت کے سب سے پہلے ذمہ وار اللہ تعالیٰ کے نزدیک خود بدعہد مسلمان ہونگے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مِنْ عِنْدِھِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَۃُ وَفِیْھِمْ تَعُوْدُ۔ اور اسی ضمن میں انکی اخلاقی تباہی اور اجتماعی پراگندگی کا نقشہ مجمل الفاظ میں مگر مکمل بلاغت کے ساتھ کھینچدیا ہے۔ جہاں وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ جیسے تنبیہانہ کلام میں بنی اسرائیل کو مخاطب

کرنا مقصود تھا وہاں یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا کہکر مضمون کو شروع کیا مگر جہاں روئے سخن مسلمانوں کی طرف تھا وہاں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر اس مخصوص اسلوب سے مسلمانوں کو تنبیہ کردی۔ اور حضرت مسیح ؑ کی پیشگوئی جو انکے لئے مخصوص تھی اسے یاد رکھنے کے لئے تلقین کی گئی اور نہیں بتلادیا کہ اس مبعوث کا نام احمد ہوگا۔ جو ایسے وقت میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ محمدیت کما حقہ دنیا کی تمام اقوام میں قائم کرے گا۔ بلکہ مسلمان اُس مقدس نام کی توہین کر رہے ہونگے۔ اور جب وہ انکے پاس آئیگا وہ اسے اپنے دعوے میں جھوٹا سمجھیں گے اور اسے خارج از اسلام قرار دینگے حالانکہ وہ خود ہی فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ کے مصداق بن کر جادۂ اسلام سے دُور بھٹکے ہوئے ہونگے۔ اور وہ احمد انہیں حقیقی اسلام کی دعوت دیگا۔

اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ کا مصداق بلحاظ ذاتی نام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرانے میں سورۃ کا مضمون بے جوڑ ہوجاتا ہے

غرض سورۃ صف کا مضمون ایسا مسلسل کلام ہے جسکی ترتیب طبعی اور محکم ہے۔ اور مذکورہ بالا تشریح کے ساتھ اس میں تکلف اور بناوٹ کا کوئی شمہ نہیں پایا جاتا۔ مگر دوسری صورت میں یعنی اِسْمُہٗٓ اَحْمَدُ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت مراد لینے میں مضمون کا سلسلہ بالکل ٹوٹ جاتا ہے نہ تو صحابہ کرام ؓ پر اس سے قبل آیات چسپاں ہو سکتی ہیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر مابعد کی آیات صادق آتی ہیں۔ اور نہ سیاق کلام ہی درست بیٹھتا ہے۔ کوئی تاویل بھی تو پوری نہیں اترتی۔ اگر سورۃ کی ایک شق آنحضرت ؐ پر چسپاں کرنیکی کوشش کیجائے تو اس کی کوئی ایک شقیں تشنۂ تشریح و تطبیق رہ جاتی ہیں۔ جیسا کہ وَھُوَ یُدْعٰٓی اِلَی الْاِسْلَامِ کی تطبیق کرتے ہوئے میں ابھی بتلاچکا ہوں کہ ضمیر ھُمْ چھوڑکر اسکی بجائے ھُوَ رکھی گئی ہے تا معیار کی دونو شقیں مدعی اور مخالفین دونو پر چسپاں ہو سکیں۔ اگر اس پیش کردہ معیار پر احمد کے صدق و کذب کا پرکھنا مقصود نہیں تھا بلکہ صرف یہودیوں۔ عیسائیوں اور کفارِ مکہ ہی کے جھوٹ کا اعلان منظور تھا۔ اور جادۂ استقامت سے بھٹکے ہوئے مسلمانوں کو اُنکے ساتھ شریک نہیں کرنا تھا تو اس سیاقِ کلام کے عین مناسب ضمیر اور صیغہ جمع کا ہونا چاہیئے تھا۔ اور یوں کہنا چاہیئے تھا وَھُمْ یُدْعَوْنَ اِلَی الْاِسْلَامِ تاکہ اس سے ابہام دور ہوکر اصل مفہوم کی پوری وضاحت

ہوجاتی۔ اصل مقصود کے مناسب حال ضمیر اور صیغہ کو نظر انداز کر کے مفرد ضمیر و صیغہ اختیار کرنا اور اس طرح سیاق کلام کو مخدوش اور اصل مفہوم کو مشتبہ کر دینا کلام بلیغ کی شان سے بعید ہے۔ اور یہ ایسی جرح ہے کہ اس کے سامنے کوئی دلیل نہیں ٹھہر سکتی۔ جو اسمہ احمد کی پیشگوئی سے یہ ثابت کرے کہ اس سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اس پیشگوئی میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں۔ بلکہ اس موعود کا نام ہے جو مسیح کی آمد ثانی کی بشارت کو پورا کرنے والا ہے۔ اور اس امر کی تائید ان تمام آیات سے بھی یکے بعد دیگرے زیادہ سے زیادہ وضاحت کیساتھ ہوتی جاتی ہے جو ما بعد کی ہیں ۞

کیا حضرت مسیح موعود نے اسمہ احمد کا مصداق اپنے آپکو نہیں قرار دیا؟

پیشتر اس کے کہ میں بعد کی آیات کی روشنی میں اسمہ احمد کی تطبیق کروں یہاں ایک اعتراض کا جواب دینا بھی ضروری سمجھتا ہے۔ اور وہ اعتراض یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعجاز المسیح۔ ازالہ اوہام اور آئینہ کمالات اسلام وغیرہ کتب میں احمد نام کا مصداق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے مگر میں سورہ صف کی ان تشریحات میں اسمہ احمد کی پیشگوئی کا مصداق صرف مسیح موعود کو ثابت کر رہا ہوں۔ اس اختلاف سے جو قباحت پیدا ہوتی ہے وہ ظاہر ہے ۞

یہ اعتراض درحقیقت سطحی مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں اگر غور سے پڑھی جائیں تو یہ شبہ از خود رفع ہو جاتا ہے۔ آپ نے اعجاز المسیح میں آنحضرت ؐ کے دو ناموں محمد اور احمد کی جو تشریح کی ہے وہ اس اعتبار سے کی ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی دو صفات رحمٰن اور رحیم کے کامل مظہر ہیں۔ رحمٰن کا جو ایک جلالی صفت ہے مظہر اتم ہونیکی وجہ سے آپؐ محمد ہیں اور رحیم کا جو جمالی صفت ہے مظہر اتم ہونیکی وجہ آپؐ احمد ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی امت میں بعض اولیاء اللہ کو صفت محمدیت کا مظہر بنایا اور بعض کو صفت احمدیت کا۔ اور آپکی امت میں سے وہ انسان جو آپؐ کے نام احمد کا ہر رنگ میں کامل طور پر وارث اور اسم با مسمّٰی ہونا تھا وہی درحقیقت مسیح موعود ہے جو اپنی اس جمالی صفت میں مسیح ناصری کا مثیل اور اسکی پیشگوئی مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَّأْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ کا مصداق اتم ہے۔ چنانچہ آپ ازالہ اوہام طبع اوّل کے صفحہ ۶۷۲ پر (قرآن مجید میں مسیح موعود کی پیشگوئی) پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اور اس آنیوالے کا نام جو احمد رکھا گیا ہے وہ اسکے مثیل (مسیح) ہونیکی طرف اشارہ ہے۔
چنانچہ محمد جلالی نام اور احمد جمالی ہے اور احمد اور عیسیٰ اپنے جمالی معنوں کی رو سے ایک ہی ہیں۔ اسی کی
طرف اشارہ ہے وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ مگر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم
فقط احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہیں۔ یعنی جامع جلال وجمال لیکن آخری زمانہ میں برطبق پیشگوئی (مذکورہ بالا)
مجرد احمد جو اپنے اندر حقیقت عیسویت رکھتا ہے بھیجا گیا ہے"۔

اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسمہٗ احمد کی پیشگوئی کا
مصداق اپنے آپکو ٹھہراتے ہیں۔ چنانچہ اسی مضمون کی تائید میں تحفہ گولڑویہ طبع اول کے صفحہ ۹۶
پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلالی اور جمالی دو بعثتوں کی تشریح کرتے ہوئے بعث اول
کا زمانہ پنجم ہزار اور بعث ثانی کا زمانہ چھٹا ہزار بتلانے کے بعد فرماتے ہیں :۔

"یہ بعث اول جلالی نشان ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ (جو آنحضرتؐ کے وجود کے ساتھ کامل طور پر
پورا ہوا) مگر بعث دوم جس کی طرف آیت وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ میں اشارہ ہے وہ مظہر تجلی
اسم احمد ہے جو اسم جمالی ہے جیسا کہ آیت وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ اسی
کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اور اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ مہدی معہود جس کا نام آسمان پر مجازی طور پر
احمد ہے تو اسوقت وہ نبی کریمؐ جو حقیقی طور پر اس نام کا مصداق ہے اس مجازی احمد کے پیرایہ میں ہو کر
اپنی جمالی تجلی ظاہر فرمائیگا۔ یہی وہ بات ہے جو اس سے پہلے میں نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں لکھی تھی یعنی
یہ کہ میں اسم احمد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک ہوں"۔

اس حوالہ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ پیشگوئی اسمہٗ احمد کا تعلق بلحاظ اپنے کامل ظہور
کے چھٹے ہزار کے ساتھ ہے نہ کہ ہزار پنجم کے ساتھ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا
زمانہ تھا۔ اور مسیح موعود اسمہٗ احمد کی پیشگوئی کے مصداق اتم ہیں۔ جن کا ظہور مسلمانوں کے
بگاڑ کے وقت انکی اصلاح کے لئے مقدر تھا۔

یہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "مہدی معہود جس کا نام آسمان پر مجازی
طور پر احمد ہے جب مبعوث ہوگا تو اسوقت وہ نبی کریمؐ جو حقیقی طور پر اس نام کا مصداق
ہے اس مجازی احمد کے پیرایہ میں ہو کر اپنی جمالی تجلی ظاہر فرمائیگا"۔ اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ
پیشگوئی مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ کے اعتبار سے نبی کریمؐ حقیقی
اور مسیح موعود مجازی طور پر احمد ہیں بلکہ صفت رحیمیت کا مظہر اتم ہونیکی وجہ سے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حقیقی احمد اور اپنے آپکو بوجہ آپ کا بروز ہونیکے آسمان پر مجازی احمد کے نام سے تعبیر کیا ہے مگر جب آپ پیشگوئی اسمہٗ احمد کے ظہور کا ذکر فرماتے ہیں تو اس اعتبار سے اسکا اول مصداق اپنے آپکو ٹھہراتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ میں جو آنحضرتؐ کی صفتِ احمدیت کا مظہر ہوں۔ اسکے ذریعہ سے سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم اپنی وہ جمالی تجلی کامل طور پر ظاہر فرمائیں گے جو آپکے اُس نام احمد میں مضمر ہے جو بوجہ صفتِ رحیمیت کا حقیقی مظہر ہونے کے آپکو اللہ تعالےٰ سے ملا ہے۔ اس سے بڑھکر واضح اور کوئی عبارت نہیں ہو سکتی۔ آپ فرماتے ہیں کہ "اس آیت کے یہی معنے ہیں" معروف کرخی رح وغیرہ نے جو کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آسمان پر احمد ہے۔ اس سے بھی درحقیقت وہی صفاتی اسم مراد ہے جسکی تشریح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے متعدد کتابوں میں فرمائی ہے۔

احمد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذاتی نام نہیں بلکہ صفاتی ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان تمام تشریحات کا خلاصہ دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ احمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صفاتی نام ہے مگر مسیح موعود کا یہ نام علاوہ صفاتی ہونے کے ذاتی بھی ہے۔ اسی طرح جس طرح کہ محمد رحمان کا مظہر ہونیکے اعتبار سے آنحضرتؐ کا صفاتی نام ہے مگر مخصوص پیشگوئیوں کا مصداق ہونیکے اعتبار سے ذاتی نام بھی ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل نے محمدیم اور فارقلیط نامی نبی کے آنیکی پیشگوئی کی ہے۔ اور آنحضرتؐ اپنے ذاتی نام اور نیز مقررہ علامتوں کے اعتبار سے اس مخصوص پیشگوئی کے حقیقی مصداق ہیں۔ اس امتیازی خصوصیت میں کسی اہل اللہ کو آپؐ کے ساتھ شرکت حاصل نہیں۔ یعنی کسی اہل اللہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ کہے کہ میں وہی محمد ہوں جسکا ذکر توریت و انجیل میں وارد ہے۔ ہاں چونکہ آنحضرتؐ بوجہ حمدیت کے مظہرِ اتم ہونے کے صفاتی طور پر بھی محمد ہیں۔ اس لئے بعض اولیائے اُمت بوجہ اس صفتِ محمدیت کا بروز ہونیکے محمد کہلا سکتے ہیں۔ مگر یہ نام انکا محض صفاتی ہوگا ذاتی نہیں ہوگا۔ ایسا ہی احمد بھی بوجہ رحیمیت کا مظہر اتم ہونے کے آنحضرتؐ کا صفاتی نام ہے۔ اور بعض اولیائے امت بوجہ آپکے اس نام کے بروز ہونے کے صفاتی طور پر احمد کہلا سکتے ہیں جس میں مسیح موعود بھی شریک ہیں۔ مگر علاوہ اس شراکت کے مسیح موعود کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ آپؑ[ل] اپنے ذاتی

[ل] **ذاتی نام کی متعلق ایک اعتراض کا جواب** ذاتی نام سے محض وہی نام مراد نہیں ہوتا جو ماں باپ عموماً تفاؤل کے طور پہ رکھا کرتے ہیں نہ ایسے نام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے معانی کے رو سے بھی متحقق ہو۔ مگر پیشگوئی میں کسی نبی کا

نام کے اعتبار سے حضرت مسیحؑ کی مخصوص پیشگوئی اِسْمُہٗ اَحْمَد کے حقیقی مصداق ہیں آپکے سوائے اور کوئی نہیں جو ذاتی نام اور مقررہ خصوصیات کے لحاظ سے آیت مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ کا مصداق ہو ؛

یہی وہ بات ہے جسے میں نے آیات کے سیاق و سباق سے ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ اِسْمُہٗ احمد کی اس مخصوص پیشگوئی کے مصداق بلحاظ اسم ذات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ حضرت مسیح موعودؑ ہیں کیونکہ آنحضرتؐ کا اسم محمدؐ ہے نہ کہ احمد۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کا اسم ذات بلاشبہ احمد ہے! اور یہی وہ بات ہے جو حضرت مسیح موعودؑ بالتکرار فرماتے رہے ہیں۔ اور سورہ صف کی تمام آیات اسی حقیقت کو پوری بلاغت اور فصاحت کیساتھ آشکار کر رہی ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی پیشگوئی اِسْمُہٗ احمد کا مصداق وہ مسیح موعود ہے جسکی بعثت ایسے زمانہ کے لئے مخصوص ہے جب مسلمان اسلام سے برگشتہ ہو چکے ہونگے اور انکی برگشتگی کیوجہ سے گویا شانِ محمدیت کی سورج میں گرہن لگنے لگے گا۔ وہ ٹھیک وقت پر مسلمانوں کی اصلاح کی خاطر سے اور نیز ایسے نازک وقت میں مخالفینِ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے مبعوث کیا جائیگا جبکہ انکے مخالفانہ حملوں سے

(بقیہ حاشیہ) نام درحقیقت باعتبار معانی و صفات مقصود ہوتا ہے۔ قرآن مجید حضرت مسیحؑ کے متعلق اُس بشارت کا ذکر کرتا ہے جو انکی والدہ کو دی گئی اور فرماتا ہے وَیُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ اسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یعنی تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے۔ اسکا نام مسیح عیسی ابن مریم ہوگا۔ ماں نے انکا نام مسیح نہیں رکھا تھا۔ جس کے معنے مبارک کے ہیں۔ بلکہ یسوع رکھا تھا جو عربی میں عیسیٰ ہے۔ لیکن اس آیت میں اِسْمُہُ الْمَسِیْحُ کہکر مسیح نام کے پہلے ذکر کیا ہے اور عیسیٰ کا بعد میں۔ اور یہ تقدیم و تاخیر اس لئے اختیار کی کہ تا معلوم ہو کہ پیشگوئی کا نام درحقیقت مقصود بالذات ہے ؛

انبیاء بنی اسرائیل کی پیشگوئیوں میں چونکہ مسیحا کی خبر دیگئی تھی اور حضرت عیسیٰؑ اس کے مصداق تھے اس لئے آپکو حقیقت کے اعتبار سے مسیح کہا گیا۔ اسی طرح محمدؐ نام کو جو اہمیت حاصل ہوئی تو وہ محض اس وجہ سے نہ تھی کہ والدہ نے آپکا نام محمدؐ رکھا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ یہی نام پیشگوئی میں تھا۔ والدہ نے بھی رکھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی رکھا۔ اور بلحاظ معانی کے آپؐ پر یہ نام صادق آیا۔ ایسا ہی مسیح موعود کے نام احمد کا حال ہے۔ اور یہ اعتراض کہ اگر اسمہٗ احمد سے مراد مسیح موعود کا نام ہے تو پھر مرزا صاحبؑ اسکے مصداق نہیں کیونکہ ان کا نام غلام احمدؑ ہے۔ غلام کا لفظ قرآن مجید میں نہیں۔ یہی اعتراض بعینہٖ حضرت مسیحؑ کے نام پر بھی ہو سکتا ہے کہ انکا نام یسوع توریت یا دیگر انبیاء بنی اسرائیل کی پیشگوئیوں میں نہیں۔ پیشگوئی میں اصل اعتبار حقیقت معانی کا ہوا کرتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آنیوالے ابن مریم یا مہدی موعود کا نام آنحضرتؐ نے احمد بتلایا ہے۔ حضرت مسیحؑ نے بھی جو کام اپنی آمد ثانی کا بتلایا اس کے اعتبار سے بھی وہ احمد ہے۔ قرآن مجید نے بھی اسکا نام احمد بتلایا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی وحی میں حضرت مرزا صاحبؑ کو احمد ہی کر کے پکارا۔

اسلام کا چراغ بجھ رہا ہوگا۔ وہ آکر شانِ محمدیت کو اپنی اصلی شوکت میں بحال کریگا۔ اسلام کے بجھتے ہوئے نور کو بحال کرے اور پھیلائیگا اور اتنی ترقی دے گا کہ اسکے ہاتھوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی یہ غرض و غائت کہ تمام ادیان باطلہ پر دینِ حق کا غلبہ ہو۔ کامل ظہور کے ساتھ پوری ہوگی ٭

چنانچہ پیشگوئی کے تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے حق و باطل کے مذکورہ بالا معیار کو پیش کرنیکے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ یعنی مخالفین چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے اب بجھا ہی دیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اب اپنے نور کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والا ہے خواہ یہ منکر ناپسند ہی کریں۔ وہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو کامل ہدایت اور تمام سچائیوں کا دین دے کر بھیجا تاکہ اسکو سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرک ناپسند ہی کیوں نہ کریں ٭

دوسرا قوی قرینہ کہ بلحاظ اسم ذات احمد سے مراد مسیح موعود ہیں

ان دو آیتوں میں پچھلی آیت قرآنِ مجید میں کسی قدر لفظی تصرف کیساتھ دو دفعہ آئی ہے ایک دفعہ سورۂ توبہ میں اور دوسری دفعہ یہاں سورۂ صف میں۔ سورۃ توبہ میں اس آیت کا اسلوبِ بیان کچھ اور ہے اور یہاں پر کچھ اور۔ وہاں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے مشرکانہ عقائد کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے۔ يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں تکرار ہے

(بقیہ حاشیہ) اور اس پر اتفاق یہ کہ والدین نے بھی آپ کا جو نام تجویز کیا اسمیں بھی اصل احمد ہے ٭ پس یہ مشترکہ نام ہر اعتبار سے آپکا ذاتی نام ہوا۔ جو درحقیقت پیشگوئی کا اصل مدعا ہے۔ اور اسی کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی آنا چاہیئے تھا نہ لفظ غلام کا۔ جو اصل پیشگوئی میں مقصود بالذات نہیں اصل مقصد آپ کی بعثت کا یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی رسالت کی غرض و غایت اور نیز آپکی حمد دنیا میں پورے طور پر قائم کرے اور یہ مفہوم احمد میں پایا جاتا ہے جو محمد کے مفہوم کے مقابل پورے تناسب کے ساتھ واقع ہوا ہے۔ نیز چونکہ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ سے ضمناً پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا مصلح موعود آنحضرت صلعم کی شریعت کے تابع ہوگا اور مطابق صراحت نبویؐ وامامکم منکم امتی ہوگا اس لئے مسیح موعود کے ذاتی نام کیساتھ غلام بھی تجویز ہوا۔ اس لئے وحی الٰہی میں کبھی آپکو آنحضرت صلعم کے حقیقی نام محمد کیطرف منسوب کرکے غلام احمد کر کے بھی پکارا گیا۔ اور اس طرح دونو حصے نام کے

مگر قرآن مجید میں ان معنوں کی رو سے ہرگز تکرار نہیں کہ جن معنوں میں اعتراض کرنیوالے اعتراض کرتے ہیں۔ بظاہر دیکھنے والا تو یہی کہیگا کہ سورۂ توبہ میں بھی مخالفین اسلام کے نور اللہ بجھانے اور اسکا اپنے نور کو پورا کرنے اور اپنے رسول کو کامل ہدایت و حق دے کر بھیجنے اور اسکے ذریعہ سے اس دین کو تمام ادیان پر غلبہ دینے کا ذکر ہے۔ اور سورۂ صف میں بھی اسی مضمون کی تکرار ہے اس حد تک تو یہ بات درست ہے لیکن اس تکرار کے ساتھ سورۂ صف کی آیت میں ایک نئی بات ہے جو سورۂ توبہ میں نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ سورۂ صف کی مذکورہ بالا آیت میں اسلام کے متعلق مخالفین کے بد ارادوں کا ذکر اس طور سے کیا گیا ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ انہوں نے اسلام کا مٹانا ہی اپنی جد وجہد کی علتِ غائی ٹھہرالیا ہے۔ اور انہیں یقین ہوچکا ہے کہ گویا جلد ہی اپنے ارادوں میں کامیاب ہوا چاہتے ہیں۔ سورۂ توبہ میں نہ تو انکی علت غائی کی کسی تخصیص کیطرف اشارہ ہے اور نہ انکی کامیابی کی تعیینِ زمنی کا کوئی ذکر ہے ؛

اَنْ اور لام مصدریہ کے درمیان فرق

اس باریک فرق کو واضح طور پر سمجھانے کے لئے میں پہلے اَنْ اور لام کے استعمال کی چند ایک مثالیں بیان کرتا ہوں تا عربی زبان کا محاورہ معلوم ہوجائے۔ اَنْ اور لام دو حرف ہیں جو اگر فعل مضارع سے پہلے استعمال کئے جائیں تو اس فعل کو مصدر کے معنوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ یَذْهَبُ مضارع کا صیغہ ہے اور اسکے معنے ہیں "جاتا ہے"۔ اَنْ یَذْهَبَ یا لِیَذْهَبَ کے معنے ہونگے جانا۔ اُرِیْدُ اَنْ اَذْهَبَ میں جانا چاہتا ہوں۔ کب؟ اس فقرہ سے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ اب جانا چاہتا ہوں یا بعد میں مطلق آیندہ کسی وقت جانا مراد لیا جائیگا۔ لیکن اُرِیْدُ لِاَذْهَبَ میں یہ مفہوم پایا جاتا ہے کہ میں ابھی جانا چاہتا ہوں۔ تُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ۔ تم مجھے مارنا چاہتے ہو مطلق قتل کے ارادہ کا ذکر ہے۔ تُرِیْدُ لِتَقْتُلَنِیْ میں یہ مفہوم ہے۔ گویا وہ مارنے کے لئے آمادہ ہے اور اسے اب مارنا ہی چاہتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سورۂ کہف میں فرماتا ہے فَوَجَدَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ دیوار گرنا چاہتی تھی۔ اس کے مطلق یہ معنے ہیں کہ گرنے کے آثار اسمیں پیدا ہوچکے تھے۔ اور اسکے گرجانے کا کسی وقت احتمال تھا لیکن اگر یہ مفہوم ادا کرنا ہو کہ دیوار اب گرنا ہی چاہتی ہے تو عربی زبان میں اسے یوں بیان کرینگے۔ اَلْجِدَارُ یُرِیْدُ لِیَنْقَضَّ۔ غرض مضارع پر لام کا استعمال فعل کے قریب ترین زمانہ میں وقوع پذیر ہونے پر دلالت کرتا ہے ؛

دوسرا فرق اَنْ اور لام کے درمیان یہ ہے کہ لام علت غائی کی تخصیص کرتا ہے اور اَنْ کے ساتھ یہ تخصیص نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک جگہ فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰہُ اَنْ یُّطَہِّرَ قُلُوْبَہُمْ۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کی بداعمالیاں یہاں تک پہنچ چکی ہیں کہ اللہ نے انکے دل پاک کرنیکا ارادہ ہی نہیں کیا۔ یعنی چونکہ وہ لوگ اصلاح کی حد سے نکل چکے ہیں اس لئے ایسے لوگوں کی تطہیر کا ارادہ بھی نہیں ہوسکتا۔ مشارٌ الیہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کی گئی ہے کہ انکی اصلاح آپکے لائحہ عمل سے باہر ہے۔ آپؐ انکے کفر کی وجہ سے غمگین نہ ہوں ایسے لوگوں کی اصلاح آپکی غرض و غایت نہیں۔ اس مفہوم کو لَمْ یُرِدْ اَنْ یُّطَہِّرَ یعنے مضارع پہ اَنْ کا حرف استعمال کر کے ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے بالمقابل اہل بیت اور مومنوں کی تطہیر چونکہ اللہ تعالیٰ کی غرض و غایت ہے وہاں اَنْ یُّطَہِّرَ کی جگہ لِیُطَہِّرَ سے مفہوم کو ادا کیا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا (احزاب ۴) ایسا ہی مومنوں کے متعلق فرماتا ہے۔ مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَہِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۔ یعنی ابتلاؤں کی علت غائی محض تمہاری تطہیر ہے۔ اس سے تمہیں خواہ مخواہ مشکلات میں ڈالنا مقصود نہیں ۞

ان مثالوں[1] سے آپ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں لام جب مضارع پر آتا ہے تو علاوہ مصدر کے معنے دینے کے وہ علت غائی اور وقوع فعل کے قرب زمانہ کے مفہوم پر بھی ضمناً دلالت کرتا ہے۔

اب زیر غور آیت سورۃ توبہ میں بایں الفاظ وارد ہوئی ہے۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِہِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ۔ یُطْفِئُوْا اور یُتِمَّ کے پہلے حرف اَنْ ہے۔ دونوں افعال مضارع ہیں اور اَنْ کے آنے سے انکے معنے مطلق مصدر کے ہوگئے ہیں۔ یعنی بجھانا اور پورا کرنا۔ یہود اور عیسائی اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں۔ یہ ارادہ اپنے اندر عزم بالجزم یا علت غائی کی کوئی تخصیص رکھتا ہے اور نہ کوئی زمنی تعیین ہی اسکے ساتھ ہے۔ انکی مطلق خواہش ہے کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں۔ اس کے بالمقابل یَاْبَی

---

[1] اس ضمن میں سورۃ توبہ کی آیت ۵۵ اور آیت ۸۰ خاص طور پر قابل ملاحظہ ہیں۔ پہلی آیت کا سابقہ آیات کے ساتھ گہرا تعلق ہے جنمیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ان منافقوں کو قصداً خرچ کرنے کی توفیق نہیں دیتا۔ اس لئے لِیُعَذِّبَہُمْ فرمایا ہے۔ لیکن دوسری آیت میں یہ سیاق نہیں۔ اس لئے اَنْ یُّعَذِّبَ فرمایا ہے۔ اس لئے ہر دو آیات میں سیاق کے مطابق مضارع پر لام اور اَنْ کا جدا جدا معنے میں استعمال ہوا ہے ۞ منہ

اللہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ فرما کر اس بات کا اظہار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا نور پایۂ تکمیل تک پہنچانا منظور ہے۔ گویا اس آیت میں مخالفین کے مطلق خواہش کے مقابل اللہ تعالیٰ کی مشیت کا بھی علی الاطلاق اظہار کیا گیا ہے۔ اور اَنْ یُّطْفِـُٔوْا کے مقابل اَنْ یُّتِمَّ رکھا گیا ہے۔ مگر سورۂ صف میں جب یہ آیت دہرائی گئی ہے تو بجائے یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ کے یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ ہے جس کے معنے ہیں "یہ مخالف چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اب بجھا ہی دیں" یعنی اب نہیں ان کا مقصد قریب الحصول دکھائی دے رہا ہے۔ اور وہ اپنے خیال میں گویا اس نور کا خاتمہ کیا چاہتے ہیں۔ جیسے ایک پہلوان اپنے مدمقابل کو پچھاڑ کر اس کے سینے پر سوار خنجر اٹھائے ہوئے اس کے خاتمہ پر آمادہ ہو۔ بالکل یہی مفہوم یُرِیدُون لیطفؤا نور اللہ کا ہے۔ یعنی چاہتے ہیں کہ نور اللہ کو اب بجھا ہی دیں۔ اسکا کچھ بھی باقی نہ چھوڑیں۔ گویا یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ دشمن جس کی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مطلق خواہش یہ تھی کہ نورِ اسلام کو بجھا دے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالی تجلیات کے سامنے اسے اپنی یہ خواہش پوری کرنے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔ اب اپنی کوششوں میں اس آخری حد تک پہنچ گیا ہے اور وہ ایسے زمانہ میں ہے کہ گویا اسکا مقصد اسکو قریب ترین نظر آرہا ہے جس کی وجہ سے اسکے ارادے میں اور زیادہ قوت پیدا ہوگئی ہے اور اس نے عزم بالجزم کرلیا ہے۔ اسلام کا اب خاتمہ ہی کر دے۔ یُرِیدُون لیطفؤا نور اللہ کا یہی مفہوم ہے۔ اور اس میں معنی کے لحاظ پر لام کی وجہ سے معانی میں قوت اور زیادتی پیدا ہوگئی ہے۔ جو سورۂ توبہ کی آیت میں وہ نہیں۔ اس کی دلیل علاوہ محاورہ زبان کے یہ ہے کہ اس زیادتی کی وجہ سے آیت کا دوسرا حصہ بھی سورۂ صف میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ سورۂ توبہ میں یَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ فرمایا ہے مگر سورۂ صف میں وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ فرمایا ہے۔ مُتِمُّ اسم فاعل ہے جس میں زمانہ کی تعیین ہوتی ہے۔ مصدر میں زمانہ کا مفہوم علی الاطلاق ہوتا ہے۔ یعنی اس میں ماضی۔ حال یا مستقبل میں سے کوئی خاص زمانہ کی تعیین نہیں ہوتی۔ مگر اسم فاعل میں زمانہ کی تعیین ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ فعل مضارع کے مفہوم سے بھی بڑھ کر اسمیں زمنی تعیین ہوتی ہے ؎

یذہبُ فعل مضارع ہے اور اس کے معنے ہیں "جاتا ہے" یا "جائیگا"۔ ذاہبٌ اسم فاعل ہے اور اس کے معنے ہیں "جا رہا ہے یا جانے والا ہے"۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ کے معنے ہیں "اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والا ہے"۔ یعنی دشمن تو سمجھ رہے ہیں کہ وہ اسلام

کا خاتمہ کیا چاہتے ہیں حالانکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ اسکی تکمیل کے سامان بہم پہنچا رہا ہے اور عنقریب زمانہ میں اسکی تکمیل کر دے گا۔

پس سورۃ صف کی محولہ بالا آیت کے دونوں حصوں میں معانی کی پوری پوری مناسبت اور مطابقت کے ساتھ جو لفظی تصرف کیا گیا ہے وہ درحقیقت علم اور حکمت پر مبنی ہے۔ اور اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ آیت کسی ایسے زمانہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جس میں مخالفینِ اسلام زوروں پر ہوں گے اور انہیں یقین ہوگا کہ اسلام کے مٹا ڈالنے میں گویا وہ اب کامیاب ہو چکے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اسی زمانہ میں انکے مقابل اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے اسباب پیدا کر رہا ہوگا۔[1] لہذا یہ آیت بھی سیاق کلام کے ساتھ مزید ربط پیدا کر رہی ہے اور بتلا رہی ہے کہ مذکورہ بالا پیشگوئی کا احمد محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات نہیں بلکہ اس خوفناک زمانہ کا موعود ہے جسمیں مخالفینِ اسلام کی طرف سے نورِ اسلام کے بجھانے کی انتہائی کوششیں کیجا رہی ہونگی اور ان کے مقابل اللہ تعالیٰ اسکی کامل اشاعت اور تکمیل کی تیاری میں ہوگا اور یہ کہ وہ زمانہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کا مصداق ہوگا جس میں کہ آنحضرتؐ کے متعلق یہ نوشتہ پورا ہونا ہے هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

یہ اسی پیشگوئی کی تکرار ہے جس کا ذکر پہلے سورۃ توبہ میں ہوا ہے اور اسکے بعد دو دفعہ اسی کا اعادہ کیا ہے۔ ایک دفعہ سورۃ فتح میں بایں الفاظ هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ اور دوسری دفعہ سورۃ صف میں۔ اور اس تکرار کے یہ معنے ہیں کہ پیشگوئی دو اعتبار سے پوری ہوگی۔ ایک تکمیل شریعت و ہدایت کے اعتبار سے۔ اور یہ وعدہ جلالی تجلی کے ساتھ پورا ہونا تھا جس کے لئے آنحضرتؐ کی ذات اور آپکے صحابہ کو توریت کی پیشگوئی کے مطابق مخصوص کیا گیا۔ اور دوسری تکمیل اشاعت کے اعتبار سے جو ایسے زمانہ پر موقوف تھی جس میں وسائل اشاعت

---

[1] علامہ آلوسیؒ نے بھی روح المعانی میں لیطفؤا نور اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے لام کی اس خاصیت کا ذکر بایں الفاظ کیا ہے وَرَيْدَتْ لِتَاكِيْدِ مَعْنَى الْاِرَادَةِ لِمَا فِيْ لَامِ الْعِلَّةِ مِنَ الْاِشْعَارِ بِالْاِرَادَةِ وَالْقَصْدِ ۔ وَقِيْلَ وَفِيْهِ مُبَالَغَةٌ لِجَعْلِ كُلِّ اِرَادَةٍ لَهُمْ لِلْاِطْفَاءِ (جزو نہم) امام فخر الدین رازیؒ بھی محولہ بالا آیت کی شرح میں اسی فرق کی طرف اشارہ کرتے ہیں (تفسیر رازی جزو ہشتم)

احسن اور اکمل طور پر میسر ہوں۔ اور جب مخالفین اسلام کو مٹانیکے لئے انتہائی کوشش سے زور لگانے والے تھے۔ اور اس تکمیل اشاعت کے لئے مسیح موعود اور آپکے ساتھیوں کو منتخب کیا جانا تھا۔ جیسا کہ سورۃ فتح کے آخر میں وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ کہہ کر اسکی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الشان پیشگوئی کا عین موقعہ اور محل پر سورۂ صف میں اعادہ فرمایا ہے۔ سورۂ فتح میں جب اسکا اعادہ فرمایا تو يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللهِ کو حذف کر دیا۔ کیونکہ مخالفین کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالی تجلیات کے سامنے باوجود خواہش رکھنے کے اس نور کے بجھانے کی ہمت ہی نہیں پڑتی تھی۔ نیز تکمیل ہدایت کا تعلق براہ راست آسمان کے ساتھ تھا جہاں اہل زمین کی رسائی نہیں لیکن سورۂ صف میں جب اس پیشگوئی کا اعادہ فرمایا تو ساتھ ہی يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللهِ کا اعادہ فرمایا تا معلوم ہو کہ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ مخالف طاقتیں اسلام کو مٹانے کے لئے انتہائی زور آزمائی کرینگی۔ حتیٰ کہ قریب ہوگا کہ وہ اس نور کو بجھا ہی دیں۔ ایسے آڑے وقت میں اللہ تعالیٰ احمد کے ذریعہ اسلام کو تمام ادیان پر کامل غلبہ عطا فرمائیگا۔ اور تمام قومیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانی بادشاہت میں داخل ہونگی۔ جیسا مفسرین نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے بعض صحابہؓ کے اقوال کی بنا پر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اسلام کو یہ موعودہ غلبہ مسیح کی آمد ثانی کے وقت حاصل ہو جائیگا۔ حضرت مسیحؑ بھی اپنی آمد ثانی کی پیشگوئی میں فرماتے ہیں:۔

"اور بادشاہت کی اس خوشخبری کی منادی تمام دنیا میں ہوگی۔ تاکہ سب قوموں کے لئے گواہی[۱] ہو۔ اور اُسوقت خاتمہ ہوگا"۔ (متی ۲۴: ۱۴)

قرآن مجید کی جو علام الغیوب خدا کا کلام ہے مذکورہ بالا آیتیں جو بادی النظر میں محض

---

[۱] اسی شہادت کے قائم ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ سورۂ فتح کی آیت هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کے آخر میں فرماتا ہے۔ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا۔ اور اسی الٰہی شہادت کے قیام کی تشریح کرنے کے لئے توریت و انجیل کی دو پیشگوئیوں کا حوالہ دیتا ہے۔ ایک کا تعلق آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے ساتھ ہے۔ اور دوسری شہادت کا تعلق مسیح موعود اور آپکے ساتھیوں کیساتھ۔ اور اسی قسم کی شہادتوں کے قیام کے متعلق سورۂ ہود میں پیشگوئی فرماتا ہے۔ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ۔ کیا وہ جو اپنے رب کیطرف سے بینہ پر قائم ہو اور اسکے پیچھے ایک شاہد آتا ہو جو اسی میں سے ہو اور جس کے پہلے کتاب موسیٰ بطور رہنما اور رحمت کے ہو۔ وہی اس پر ایمان لاتے ہیں۔ منہ

ایک دوسری کی خالی تکرار نظر آتی ہے۔ ایک معمولی سے مکانی یا لفظی تصرف کے ساتھ اس کے ذریعہ آیندہ کی دو عظیم الشان پیشگوئیوں اور انکے پورے ہونے کے زمانے کا اعلان کیا گیا ہے جس میں اقوام مشرکہ کے انتہائی مقابلہ کے باوجود ہمارے آقائے نامدار خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض و غایت من کل الوجوہ پایہ تکمیل کو پہنچی ہے۔

وہ لوگ جو اس دھوکے میں ہیں کہ قرآن مجید تکرار سے بھرا پڑا ہے ان کے لئے ان آیتوں کی تشریح میں ایک بہت بڑا سبق ہے۔

تیسرا قوی قرینہ کہ احمد سے مراد مسیح موعود ہی ہیں

میں پوری وضاحت سے بتلا چکا ہوں کہ سورۃ صف میں ایسے زمانے کے مسلمان بحیثیت قوم مخاطب ہیں جو بوجہ اپنی بدعہدی اور بدکرداری کے آنحضرتؐ کی متعدد پیشگوئیوں کے مصداق ہیں۔

اسی سیاق کلام کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ صف کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت میں مسلمانوں کو بایں الفاظ مخاطب فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ اے ایماندارو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کا پتہ نہ دوں جو تمہیں نہایت دردناک عذاب سے نجات دے؟

عذاب عربی زبان میں سزا کو کہتے ہیں۔ چنانچہ یہ لفظ قرآن مجید میں سزائے الٰہی کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اور وہ تکالیف یا مصیبتیں جو اللہ کے نیک بندوں کو فی سبیل اللہ پہنچتی ہیں انکا نام عذاب نہیں بلکہ ابتلاء رکھا گیا ہے جیسا فرماتا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ اور فرماتا ہے:- وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ (سورۃ محمد: ۳۱) اور فرماتا ہے۔ اِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ (بقرۃ: ۱۲۴) اور فرماتا ہے۔ وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ (انفال: ۱۷) اور فرماتا ہے اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا ۝ (احزاب: ۱۱) حضرت ابراہیمؑ کو اہل دنیا نے سخت سے سخت تکلیفوں میں ڈالا۔ یہانتک کہ آگ انکو ہلاک کرنے کے لئے بھڑکائی۔ مگر وہ آگ ابراہیمؑ کے دل پہ یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا کے حکم کے مطابق ٹھنڈک تھی۔ آنحضرتؐ کے صحابہؓ کو سخت سے سخت مصیبتوں کے شکنجوں میں ڈالکر نہ

سمجھا گیا مگر قرآن مجید نے اسکا نام عذاب نہیں بلکہ ابتلاء رکھا ہے کیونکہ مومن کی روحانی ترقی کے لئے وہ اپنے اندر ایک ضروری سامان رکھتا ہے۔ لوگوں کے دیئے ہوئے دکھ مومنوں کے لئے دکھ نہیں بلکہ راحت اور امن کا موجب ہوا کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس ضمن میں فرماتے ہیں:۔

" دکھوں اور مصیبتوں کے وقت میں خدا تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے دل پر ایک نور اتارتا ہے۔ جس سے وہ قوت پاکر نہایت اطمینان سے مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اور حلاوتِ ایمانی سے اُن زنجیروں کو بوسہ دیتے ہیں جو اسکی راہ میں انکے پیروں میں پڑیں"۔ [۱]

غرض سارا قرآن مجید پڑھ جائیں کہیں بھی مومنوں کے لئے عذاب کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ جہاں بھی عذاب کا لفظ استعمال ہوا ہے کافروں۔ فاسقوں۔ منافقوں۔ بدکاروں اور بدعہدوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ پس سورۂ صف کی آیت یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کی تشریح کرتے ہوئے یہ خیال کرنا درست نہیں کہ یہاں وہ صحابہ مقصود بالذات ہیں جنہیں لوگوں کی طرف سے دکھ دیا جاتا تھا۔ اور عذاب الیم سے وہ سزائیں مراد ہیں جو کفارِ مکہ عہدِ نبوی کے مسلمانوں کو دیا کرتے تھے۔ اور نہ یہ دکھ درحقیقت اہل اللہ کے لئے عذاب ہوا کرتے ہیں ؛

پس اس آیت کا صاف اور سادہ مفہوم یہ ہے کہ یہاں ایسے مومن مخاطب ہیں جو قوم یہود کی طرح بدعہد ہو چکے ہیں اور اپنی بدعہدی کی وجہ سے سزائے الٰہی میں گرفتار ہیں انہیں اس آیت میں بھی مومنوں کے نام سے اسی طرح پکارا گیا ہے جس طرح سورۂ صف کے شروع میں پکار کر کہا گیا ہے یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ہ اور اسکے صرف یہ معنے ہیں کہ وہ اپنے دعوے کے لحاظ اور پکارے جانے کے اعتبار سے مومن ہیں۔ اور ایسے مومن ہیں جو کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ کے وعید کے نیچے اور اپنے فسق و فجور کی وجہ سے سزائے الٰہی میں گرفتار ہیں۔

آج جو حالت مسلمانوں کی ہے اس سے بڑھ کر دردناک سزا اور کونسی تصور کیجا سکتی ہے؟ مسلمانوں کا نام جو کسی وقت تمام عزتیں اپنے اندر لئے ہوئے تھا آج انکے مکروہ اور گھناؤنے کاموں کی وجہ سے قوموں میں گالی کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ اور ممالک عربیہ میں جو اسلام اور مسلمانوں کا گہوارہ ہے میں اس بات کو نہایت تلخی کے ساتھ محسوس کرتا رہا کہ ایک مسلمان تعلیم یافتہ نوجوان جو اپنی بدحالی کے متعلق حسّاس ہو نا مسلمان کہلانے سے اس لئے شرماتا کہ ممالکِ غربیہ میں ایک ماں اپنے بچے کو اسکے میلے ہاتھ دیکھ کر اس پر ان الفاظ

[۱] اسلامی اصول کی فلاسفی

میں نفرت کا اظہار کرتی ہے ! Get away dirty Muslim دور ہو گندہ مسلمان ! گویا مسلمان کا نام انکے ہاں چوہڑے کا مترادف ہے۔ کیا ہماری یہ حالت دل میں درد کے جذبات پیدا نہیں کرتی ؟ اور اس سے بڑھ کر اور عذاب الیم کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے علماء جو کسی وقت ایسی عزتوں کے مالک تھے کہ ایک بادشاہ بھی دس قدم آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرتا۔ اور اپنے پاس مسند پر بٹھاتا تھا۔ ہر خس و خاشاک کیطرف سے ملوانے۔ ملوٹنے۔ قُل اعوذیئے۔ کھڑکنے۔ جمعراتیئے اور گو بگئے وغیرہ عزت افزا القاب سے ملقب کیئے جا رہے ہیں۔ آلہی لعنت کا یہ ٹیکا مذکورہ علماء کی پیشانیوں پر مسلمانوں کے ہاتھوں سے اس لئے لگایا گیا ہے تا خاتم الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی عُلَمَاءُ هُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَ فِيْهِمْ تَعُوْدُ کی صداقت ظاہر ہو۔ علماء کی یہ بدتر حالت جو آج ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کیا ہمارے لئے اپنے اندر دوسری عبرت کا سامان نہیں رکھتی ؟ کونسی نعمت ہے جس سے مسلمانوں کو محروم نہیں کر دیا گیا ؟ حکومتیں انکے ہاتھوں سے چھین لی گئیں۔ تجارتیں تباہ کر دی گئیں۔ صنعتیں اور حرفتیں مٹا دی گئیں زمینیں لے لی گئیں اور جو کچھ تھوڑا بہت انکے ہاتھوں میں سلطنت صنعت و حرفت اور زمینوں سے باقی ہے وہ انکے لئے بے برکت اور بے ثمر ہے۔ نہ امیں و حابیت ہے نہ اخلاق ہیں نہ اچھے اطوار ہیں۔ جو کچھ ہے یہ ہے کہ دنیا بھر کے جیلخانوں میں انکی کثرت ہے۔ بیمارخانوں میں انکی کثرت ہے۔ پاگل خانوں میں انکی کثرت ہے۔ رنڈی خانوں میں انکی کثرت ہے۔ بربادی کے جتنے گھر ہیں وہ انکی کثرت سے معمور ہیں۔ کیا یہ عذاب الیم ہمارے لئے اپنی ہیبت میں کچھ کم ہے ؟ انبیاء بنی اسرائیل کی گریہ و زاری جو کسی زمانہ میں یہود کی بدحالی پر تھی آج ان مسلمانوں پر صادق آتی ہے۔ اور توریت کا یہ نوشتہ لفظاً لفظاً ان پر پورا اترتا ہے۔

"تیرے عملوں کی برائی کے باعث جن کے سبب سے تو نے مجھے ترک کیا خداوند ایسا کریگا کہ آسمان جو تیرے سر پر ہے پیتل کا ہوگا۔ اور زمین جو تیرے نیچے ہے لوہے کی ہوگی۔ خداوند مینہ کے بدلے تیری زمین پر خاک اور دھول برسائیگا۔ تو اپنے دشمنوں کے آگے مارا جائیگا۔ تو ایک راہ سے انپر چڑھ کر آئیگا اور ان کے آگے سات راہوں سے بھاگیگا۔ اور زمین کی ساری مملکتوں میں تیرے لئے پریشانی ہوگی۔ جس طرح اندھا اندھیرے میں ٹٹولتا ہے تو دوپہر کو ٹٹولتا پھریگا۔ اور تو اپنی راہوں میں کامیاب نہ ہوگا۔ تجھ پر ہمیشہ ظلم ہی ہوگا۔ اور تو لوٹا جائیگا۔ اور کوئی تیرا بچانے والا نہ ہوگا۔ تو ایک عورت سے منگنی کرے گا اور دوسرا شخص

ہم بستر ہوگا. تو گھر بنائیگا پر سکونت نہ کریگا۔ تیرا گدھا تیرے روبرو زبردستی پکڑا جائیگا اور تجھ کو پھر دیا جائیگا تیری بھیڑیں تیرے دشمنوں کو دیجائینگی اور تیرا کوئی نہ ہوگا جو انہیں چھڑا لے۔ تیرے بیٹے اور تیری بیٹیاں دوسری قوم کو دیجائینگی اور تیرے ہاتھ میں کچھ زور نہ ہوگا تیری زمین اور تیری ساری محنتوں کے پھل کو ایک گروہ جس سے تو جنبی ہے کھا جائیگی اور تو ہمیشہ ظلم کیا ہوا اور کچلا ہوا رہیگا۔ پردیسی جو تیرے درمیان ہے تیری بہ نسبت نہایت سرفراز ہوگا اور تو نہایت پست ہو جائیگا۔ وہ تجھے قرض دیگا اور تو اسے قرض نہ دے گا۔ وہ سر ہوگا اور تو دم ہوگا۔ جملاً یہ ساری لعنتیں تجھ پر آئینگی اور تیرا پیچھا کرینگی اور تجھ تک پہنچیں گی یہانتک کہ تو ہلاک ہوگا! اس لئے کہ تو نے خداوند اپنے خدا کی آواز نہ سُنی کہ اسکے حکموں اور اسکی شرعوں کو جنہیں اسنے تجھے فرمایا ہے حفظ کرے۔ اور یہ لعنتیں تجھ پر اور تیری نسل پر نشانی اور حیرت کے لئے ابد تک ہونگی۔ کیونکہ تو نے سب چیزوں کی فراوانی کے باعث اپنے دل کی خوشی اور خرمی سے خداوند اپنے خدا کی بندگی نہ کی۔ اس لئے تو بھوک اور پیاس اور ننگے پن اور سب چیزوں کی احتیاج میں گرفتار ہوکے اپنے ان دشمنوں کی خدمت کریگا جنہیں تجھ پر بھیجیگا! اور وہ تیری گردن میں لوہے کا طوق ڈالیگا یہانتک کہ وہ تجھے فنا کر دیگا۔ خداوند تیری آفتیں اور تیری اولاد کی آفتیں عجب طرح سے بڑھا دیگا کہ سخت آفتیں ہوں جو بہت دن رہیں گی اور یوں ہوگا کہ جس طرح خداوند نے تم سے خوش ہوکر تم سے نیکی کی اور تمہیں بہت کر دیا! اسی طرح تمہاری بات خوش ہوگا کہ تمہیں ہلاک کرے اور نیست و نابود کر ڈالے اور تو اس زمین سے جس کا تو مالک ہوا جاتا ہے جڑ سے اکھاڑ ڈالیگا۔ تیری زندگی تیری نظر میں بے ٹھکانا ہو جائیگی اور تو رات اور دن ڈرتا رہیگا اور تجھ کو اپنی زندگی پر کچھ بھروسہ نہ ہوگا۔ اپنے دل کے خوف سے اور ان چیزوں سے جنہیں تیری آنکھیں دیکھیں گی۔ صبح کو تو کہیگا کہ اے کاش! شام ہوتی۔ اور شام کو کہیگا کہ اے کاش صبح ہوتی!" (کتاب استثناء: ۱۵ تا ۶۸)

غرض یہ نوشتہ مسلمانوں پر بھی اسی طرح صادق آیا جس طرح قوم یہود پر۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کی اسی مغضوبیت کی حالت میں جس سے آسمان کی تسبیح بھی بند ہوئی اور زمین کی تسبیح بھی بند ہوئی۔ قرآن مجید انہیں مخاطب کرتا اور ان سے فرماتا ہے۔ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ اے ایماندارو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کا پتہ نہ دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے؟ وہ کیا تجارت ہے؟ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ۔ تم مومن نہیں ہو۔ نئے سرے سے ایمان لاؤ اللہ پر بھی اور اسکے رسول پر بھی تجدید ایمان کرو۔ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعہ سے ایک نئے جہاد کے لئے کھڑے ہو جاؤ تا تم مخلصی پاؤ۔ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ یہی بات تمہارے لئے سب سے بہتر ہے۔ اگر تمہیں اس تجدید

ایمان اور اپنے اس جہاد کے نتائج کا علم ہو۔ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ تمہارے گناہوں کے بدنتائج سے تمہیں وہ بچا لیگا۔ اور جن موعودہ جنتوں سے تم محروم ہو انہیں تمہیں داخل کریگا۔ اور نہایت اعلیٰ مکانوں کا تمہیں وارث بنائیگا جو ابدی جنتوں میں ہوں گے یہ بہت ہی بڑی کامرانی ہے۔ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا اور ایک اور چیز ہے جسے تم چاہتے ہو نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ایک نصرت ہی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں ملنے والی ہے۔ فَتْحٌ قَرِيْبٌ اور دشمن پر غلبہ پانا ہی۔ جو قریب ترین وسائل سے تمہیں حاصل ہوگا۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ان مومنوں کو جنہوں نے نئے سرے سے تجدید ایمان کی ہی اور جہاد کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ بشارت دو۔ کہ یہ نصرت اور غلبہ انکو مل کر رہیگا ؛

چوتھا قرینہ کہ اِسْمُهٗ اَحْمَدُ سے مراد مسیح موعود ہی ہیں

وہ نصرت اور غلبہ کیا ہی؟ آیا اس نصرت اور فتح سے وہ نصرت اور غلبہ مراد ہے جس کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کے الفاظ میں تسلی دیتے ہوئے متعدد بار ہوا۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ وَاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝ اور جس کے متعلق دوست دشمن بار بار پوچھتے ہیں۔ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ـ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ. اللہ کی نصرت کب ہوگی اور یہ فتح کب ہوگی؟ اور انہیں جواب دیا گیا اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ یا اس سے کوئی اور نصرت اور غلبہ مراد ہے؟ جس کا تعلق احمد مسیح موعود اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہے آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ رضؓ کے ساتھ جس نصرت اور فتح کا قرآن مجید میں بار بار ذکر کیا گیا ہے اس کی تفصیل و تشریح میں ایک مکمل سورۃ نازل فرمائی ہے جس کا نام ہی سورۃ فتح ہے۔ اس میں اللہ تعالےٰ اعلان فرماتا ہے۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ ہم نے تجھے دشمن پر کھلا کھلا غلبہ دیدیا ہے تا اللہ اس غلبہ کے ذریعہ سے تمہاری اگلی پچھلی ان کمزوریوں کا تدارک فرمائے جن کا اصل باعث دشمن کا غلبہ تھا۔ اور اپنی نعمت تجھ پر پوری کرے۔ اور صراط مستقیم پر تجھے چلائے۔ اور اللہ تعالیٰ تجھے ایسی نصرت عطا کرے جو اپنے ساتھ کامل غلبہ رکھنے والی ہو۔ پھر اسی سورۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہی فَاَنْزَلَ

السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ اسنے ان (صحابہؓ) پر سکینت نازل کی اور قریب ترین فتح جس کا ان کے ساتھ وعدہ تھا انہیں عطا کی۔ اور نیز اور بہت سی فتوحات بھی ہیں جنہیں وہ حاصل کرینگے۔ اللہ عزیز یعنی اپنے ارادوں میں غالب اور حکیم یعنی تدابیر سے کام لینے والا تھا۔ اللہ نے تم سے بہت سی فتوحات کا وعدہ کیا ہے جو تمہیں حاصل کرنا ہیں۔ سو اسنے تمہیں یہ جلد ہی دے دیں۔ اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا تا مومنوں کے لئے ایک نشان قائم ہو اور تمہیں صراط مستقیم پر چلائے۔ اور اور بھی فتوحات ہیں جنہیں تم حاصل نہیں کر سکے۔ اللہ نے اسکا پورا پورا انتظام کر لیا ہے اور اللہ نے ہر بات کے لئے اوقات اور اندازے مقرر کئے ہیں ؎

اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا والی وہ نصرت اور فتح نہیں جن کا صحابہؓ کو وعدہ دیا گیا تھا

سورۂ فتح کی ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ جس نصرت اور فتح کا وعدہ صحابہ کرامؓ کو دیا گیا تھا وہ انکے ساتھ پورا ہو چکا لیکن ایک اور شئے بھی ہے جس کے متعلق ان سے کہا گیا تھا کہ وہ اسے حاصل نہیں کر سکے مگر اللہ نے اسکا بھی بندوبست کر چکا ہے۔ اور اسکے ظہور کے لئے پہلے سے اندازہ اور وقت مقرر ہو گیا ؎

یہ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا کیا چیز ہے؟ یہ وہی اُخریٰ ہے جس کے متعلق احمد مسیح موعود کے ہاتھ پر نئے سرے سے ایمان کرنے والوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ تمہیں علاوہ تمہاری کھوئی ہوئی مملکت واپس دینے کے ایک اور چیز بھی ہے جو تمہیں محبوب ہے نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ اللہ سے ایک نصرت کا ملنا ہے۔ اور قریب زمانہ میں سہل ترین ذرائع سے دشمن پر غلبہ پانا ہے۔ سورۂ فتح کی آیت لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا اور سورۂ صف کی آیت اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نصرت اور فتح کا وعدہ یہاں دیا جا رہا ہے یہ وہ نصرت اور فتح نہیں جو صحابہؓ کو ملنی مقدر تھی بلکہ کوئی اور ہی نصرت و فتح ہے جو مسلمانوں کو احمد موعود کے ذریعہ سے انکے از سر نو مومن بننے اور جہاد کرنے پر حاصل ہوگی۔ اور وہ ایسی نصرت و فتح ہوگی جسے احمد موعود کے ساتھی بہت چاہتے ہوں گے۔ یہ انکی چاہیتی چیز کیا شئے ہے؟

اُخریٰ تُحِبُّونَهَا والی نصرت اور فتح وہ ہی جسکا تعلق مسیح موعود کے ساتھ ہے

پیشتر اس کے کہ میں اس موعودہ نصرت اور اس کے شناخت کرنیکی علامت اور یہ فتح اور اسکا امتیازی نشان قرآن مجید سے بتلاؤں عربی کے ایک قاعدہ کا بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس قاعدہ کے ذریعہ سے وہ موعودہ نصرت و فتح آسانی سے معلوم ہوسکیگی عربی میں یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی شئے غیر معین ہو تو اس کے نام کے آخر میں تنوین آیا کرتی ہے۔ جیسے قلمٌ۔ کِتابٌ۔ مگر جب اس غیر معین چیز کو معین کرنا ہو تو یا تو اسے مضاف یعنی کسی معین شخص کیطرف منسوب کر دینگے یا اس پر اَل لگا دینگے۔ مثلاً قلمُ زَیدٍ۔ زید کا قلم۔ یا کہیں گے اَلقلَمُ۔ دونو صورتوں میں آخری حرف کی تنوین اُڑ جائیگی۔ جو نکرہ یعنی غیر معین شئے کی علامت ہی۔ اور یہ بھی قاعدہ ہی کہ غیر معین شئے کا جب دوبارہ ذکر کرنا مقصود ہو تو پھر اضافت یا اَل سی معین کر دیجاتی ہے۔ زبانِ عربی کے اس قاعدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن مجید میں سورۂ صف کے بعد کی سورتوں میں اگر ہم تلاش کریں کہ آیا نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریبٌ کا کہیں اعادہ کیا گیا ہی تو سوائے سورۃ النصر کے کہیں بھی نصرت و فتح کا ذکر نہیں ملتا اور اس سورۃ میں نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریبٌ کو دُہراتے وقت عین قواعد کیمطابق ایک کو اضافت کے ساتھ اور دوسرے کو اَل کے ساتھ معین اور معرف کر دیا گیا ہے۔ یعنی بجائے نصرٌ من اللہ کے نصرُ اللہ اور بجائے فتحٌ کے اَلفتحُ کہا گیا ہے۔ سورۃ النصر کے قریب ترین سورۃ جس میں پہلے نصرت اور فتح کا غیر معین صورت میں ذکر ہوا ہے وہ صرف سورۃ صف ہی ہے۔ اس لئے بلحاظ سورتوں کی ترتیب کے یہ سمجھنا درست ہوگا کہ سورۂ نصر میں جس نصرت و فتح کا وعدہ دیا گیا ہے یہ وہی سورۂ صف والی موعودہ نصرت و فتح ہے جس کا تعلق احمدِ موعود اور آپکے ساتھیوں کے ساتھ ہے۔ علاوہ ازیں شانِ نزول کے اعتبار سے بھی سورۃ نصر آخری سورۃ ہی۔ اور جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے یہ سورۃ حجۃ الوداع میں آنحضرتؐ پر نازل ہوئی اور اسکے بعد آپؐ اسی۸۰ دن زندہ رہے۔ آنحضرتؐ کو آخری ایام میں سب سے بڑا غم اور فکر اپنی امت کی مغضوبیت کی حالت کے متعلق تھا جس کے متعلق آپؐ کو آگاہ کر دیا گیا تھا۔ آپکو اپنی عمر کے آخری لمحات میں بھی گھبراہٹ تھی کہ آپکی اُمت یہودیوں اور عیسائیوں کے نقشِ قدم پر چلیگی۔ چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں آتا ہی کہ آپؐ بستر وفات پر تھے اور بخار کی شدت تھی۔ سخت گھبراہٹ میں اپنی چادر کبھی منہ پر رکھتے اور کبھی اسے اٹھاتے اور ساتھ ہی یہ فرماتے۔ کہ اللہ اُن یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنی رحمت سے دور

رکھے انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا ہے۔ روایت کرنے والے صحابی کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے آپکو اپنی امت کا متنبہ کرنا منظور تھا کہ مبادا یہ بھی ایسی ہی روش اختیار کر لے۔ نیز بخاری میں آپ کا قلم دوات طلب کرنا اور فرمانا بھی کہ میں تمہیں ایک وصیت لکھے دیتا ہوں تا تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ یہ بتلاتا ہے کہ حضور کو اپنی عمر کے آخری ایام میں امت کی گمراہی کا سخت فکر تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ آپکو ان منذر ایام کے متعلق بشارت سے بھی کھلے طور پر آگاہ کر کے تسلی دیتا۔ لہذا یہ نتیجہ اخذ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ سورۃ نصر کے مضمون کا تعلق انہی منذر ایام کی نصرت اور فتح کیساتھ ہے جس کے بارے میں ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انذاری اور تبشیری دونو قسم کی پیشگوئیاں فرمائی ہیں۔ ہمارا یہ قیاس مندرجہ ذیل قرائن پر غور کرنے سے بالکل ظاہر ہو جاتا ہے:۔

۱۔ یہ کہ سورۃ نصر بلحاظ ترتیب کے آخری سورتوں کیساتھ رکھی گئی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی آخری سورتیں آخری زمانہ کے فتن و مفاسد اور دیگر حالات پر مشتمل ہیں۔ اور وہ مستقل پیشگوئیاں ہیں پس سورۃ نصر کی طبعی ترتیب تقاضا کرتی ہے کہ یہ بھی اسی آخری زمانہ سے متعلق ہو۔ ۲۔ جیسا کہ ابھی قواعد عربی کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے کہ سورۃ صف میں نصر و فتح کا ذکر غیر معین طور پر کیا گیا ہے۔ اور اسکے بعد اضافت اور ال سے جہاں بھی انکو معین کیا جائیگا وہاں سب سے پہلے مراد سورۃ صف والی نصرت اور فتح ہوگی۔ اس وجہ سے کہ محل وقوع کے اعتبار سے یہی قریب ترین سورۃ ہے۔ اسم اشارہ اور ضمیر اور ال تعریف کے متعلق یہی عام قاعدہ ہے کہ وہ مشار الیہ مرجع اور شے معرف سے قریب ترین واقع ہوتے ہیں ورنہ اشتباہ اور التباس کا ڈر ہوتا ہے۔ ۳۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے سورۃ صف میں جس نصرت و فتح کا ذکر غیر معین شکل میں فرمایا ہے اسکو معین کرنے کے لئے صرف یہی نہیں کیا کہ انکو معین کرتے وقت مطابق محاورۂ زبان اضافت اور ال سے کام لیا ہے بلکہ اس نصرت و فتح کو پورے طور پر واضح کرنیکے لئے دو مستقل سورتیں النصر اور تبت یدا ابی لہب نازل فرمائیں۔ ایک میں اس موعودہ نصرت کی یہ علامت بیان کی کہ تمام لوگ دین حق میں جوق جوق داخل ہونگے۔ اور دوسری میں موعودہ فتح کی تشریح کی کہ اس دشمن اسلام کی کامل تباہی ہوگی جو آتشی جنگ کے ذریعہ اس دین کا خاتمہ کرنیکے لئے اٹھیگا۔ اور یہ دونو سورتیں ایک دوسری کے ساتھ پہلو بہ پہلو رکھی گئیں تا دونو کا مضمون مل کر سورۃ صف کی عظیم الشان بشارت کے دونو حصوں کی صحیح تصویر کھینچ جائے ۞

موعودہ نصرت اور فتح کی دو بڑی علامتیں

پس ان زبردست قرائن کی بنا پر یہ قیاس

حدِ یقین تک پہنچ جاتا ہے کہ سورۃ نصر اور لہب میں سورۂ صف کی موعودہ نصرت و فتح کا اعادہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ان دونو صورتوں کے مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ نصرت فتح جس کی بشارت احمد موعودؑ کے ساتھیوں کو سورۂ صف میں اُخرٰی تحبّونہا کہہ کر دیگئی۔ وہ کیا ہیں اور اسکی کیا کیا علامتیں ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ یعنی جب وہ موعودہ نصرت وفتح آئے اور تو دیکھے کہ لوگ جوق جوق دین اللہ میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد میں تسبیح کر اور اپنی امت کے لئے مغفرت طلب کرتا وہ پھر ٹھوکر نہ کھائے اور نصرت اور غلبہ کا نشا اسے پہلے کیطرح غافل نہ کر دے[1] اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا میں اِنَّہٗ ضمیر شان ہے اور تعجب پر دلالت کرتی ہے اس لئے آیت کے آخری حصہ کے یہ معنے ہونگے عجیب طور سے وہ خدا توّاب ہوا۔ یعنی اس نے مسلمانوں کی طرف توجہ کی اور انہیں سنبھالا اور انکی برگشتگی کو۔ و یہ اصلاح کیا۔ اِنَّہٗ کان توّابًا سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہاں جس نصرت اور فتح کی بشارت آنحضرتؐ کو دیجا رہی ہے اسکا تعلق درحقیقت مسلمانوں کی دوبارہ اصلاح کے ساتھ ہے اس سے سورۃ صف کی آیت اُخرٰی تحبّونہا نصرٌ من اللہ و فتح قریب کے مضمون کی مزید تائید پوری وضاحت کے ساتھ ہوتی ہے اور نہائت صراحت کیساتھ پتہ چلتا ہے کہ سورۃ صف اور سورۃ نصر کا مضمون ایک ہی زمانہ کے متعلق پیشگوئی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صفتِ توّابیت کا کثرت سے ذکر فرمایا ہے اور ایک جگہ کے سوا جہاں توّابٌ حکیم فرمایا ہے باقی ہر جگہ اسے صفتِ رحیمیت ہی کے ساتھ بیان فرمایا ہے یعنی توّابٌ رحیم کہکر دونو صفتوں کو لازم ملزوم کی طرح بیان کیا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ گناہوں کی معافی دینے میں صفتِ توّابیت کے ساتھ صفتِ رحیمیت بھی کام کرتی ہے۔ رحیم کے معنے ہیں سچی محنت پر رحمت کے نتائج مرتب کرنیوالا۔ اور ان دونو کو اکٹھا بیان کرنے سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی توبہ اسی وقت قبول کرتا اور اسکی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب اسکے دل میں سچی ندامت پیدا ہو جاتی ہے اور اس ندامت کے ساتھ گناہوں سے چھٹکارا پانیکے لئے وہ عملی جد وجہد بھی کرتا ہے۔ اسی حکمت کو مدنظر رکھتے ہوئے جہاں بھی قرآن مجید میں استغفار کی ترغیب دی وہاں صفتِ غفاریت کیساتھ صفتِ رحیمیت کو بھی لازم ملزوم کیطرح رکھا ہے۔ قرآن مجید کی یہ وہ حکیمانہ طرزِ بیان ہے جسے آپ جا بجا دیکھیں گے مگر صرف سورۃ نصر میں اِنَّہٗ کان توّابًا کے بعد رحیمًا کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ یہ نرالا اسلوب یونہی اتفاقًا

[1] یہاں حضرت یسعیاہ کی پیشگوئی کے الفاظ قابل غور ہیں "دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا اور میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے"۔

اختیار کیا گیا ہو۔ قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ وہ حکیم و علیم خدا کا کلام ہے پس اگر یہ درست ہے تو ماننا پڑیگا کہ اسکا ایک شعشہ بھی بے محل اور بے حکمت نہیں ہے۔ اس لئے ایک ادنیٰ غور سے بھی اس امر کا پتہ چل جاتا ہے کہ سورۂ نصر میں اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا کے بعد رحیماً بلاوجہ نہیں چھوڑا گیا۔ جب سارے قرآن مجید میں توابًا کے ساتھ رحیماً رکھا گیا ہے اور صرف ایک جگہ آکر سورۂ نصر کے آخر میں توابًا کہکر آیت وہیں ختم کر دیگئی ہے۔ تو یہ حذف یقیناً بلاوجہ نہیں ہو سکتا +

جیسا کہ میں نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا سے درحقیقت یہی جتلانا مقصود بالذات ہے کہ اُسوقت جبکہ مسلمان نہایت ہی خستہ حالت میں ہونگے حیرت انگیز طریق سے آنحضرت ؐ کا خدا انکی طرف دوبارہ توجہ کریگا اور انہیں سنبھالیگا۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ میں روئے سخن آنحضرت [illegible] اور [illegible] آپ کا اپنے لئے مغفرت طلب کرنا مراد نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ تیرا رب نصرت اللہ و فتح قریب کے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کی نصرت فرمائیگا جس کی بڑی علامت یہ ہوگی کہ تمام قومیں دین اللہ میں داخل ہونگی اور انہیں موعودہ غلبہ بھی عطا کرے گا۔ جس کے نتیجہ میں دجال اکبر جس کا دوسرا نام ابو لہب ہے اپنی آتشین جنگوں سے خود بخود ہلاک ہوگا۔ اس نصرت و فتح کو دیکھکر [illegible] کیساتھ اپنے رب کی سبّوحیت کا اقرار کرو اور نیز اپنی امت[1] کے لئے دعا مانگ کہ پھر اس کے بعد ٹھوکر نہ کھائے۔ اور رحمانی اور شیطانی جنگ کا یہ آخری خاتمہ ہوگا۔ نیز فَسَبِّحْ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی روحانی تجلی کے

---

[1] انبیاء کو انکی وفات کے بعد اسی طرح مکاشفہ وغیرہ کے ذریعہ سے انکی امت کا حال دکھایا جاتا ہے جس طرح اس دنیا میں انہیں امور غیبیہ کا علم دیا جاتا ہے وہ مکاشفہ یا وحی اس نئی زندگی کے مناسب حال ہوتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسکا ذکر بسط کیساتھ متعدد جگہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ آئینہ کمالات اسلام میں آپ فرماتے ہیں کہ:۔
"یہ ایک سرّ اسرار الٰہیہ میں سے ہے کہ جب کسی رسول یا نبی کی امت اسکے فوت ہو جانیکے بعد بگڑ جاتی ہے اور اسکی تعلیموں اور ہدایات کو بدلا کر بیہودہ اور بے جا باتیں اسکی طرف منسوب کر لیتی ہے۔ اور ناحق کا جھوٹ افترا کرکے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ تمام کفر اور بدکاری کی باتیں اس نبی نے ہی سکھلائی تھیں۔ تو اس نبی کے دل میں ان فسادات اور تہمتوں کو دور کرنیکے لئے ایک توجہ اور اعلیٰ درجہ کا جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ تب اس نبی کی روحانیت تقاضا کرتی ہے کہ کوئی قائم مقام اسکا زمین پر پیدا ہو۔" (دیکھو صفحہ ۳۴۱ و ۳۴۲ طبع اول)
اس اجمال کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو دو دفعہ ایسی ضرورت پیش آئی۔ ایک اسوقت جب یہودیوں اور عیسائیوں کی روحانی تنزل چھٹی صدی میں انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ اُسوقت آنحضرت مبعوث ہوئے اور یہی بھید ہے کہ حضرت مسیحؑ آنحضرتؐ کے متعلق پیشگوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے پاس جاؤں گا اور میں اُسے بھیجوں گا۔ اور دوسری دفعہ یہ ضرورت مسیح کو اسوقت پیش آنے والی تھی کہ جب عیسائیت

ذریعہ سے زمین و آسمان کی وہ تسبیح جو مسلمانوں کی بدعہدی کیوجہ سے بند ہو جائیگی نئے سر سے پھر قائم ہوگی اور وہ بعثت درحقیقت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی ہوگی ✦

غرض چونکہ سورۂ نصر کی آیات کا مضمون وہ موعودہ نصرت اور فتح ہے جس کا تعلق مسلمانوں کی دوبارہ اصلاح کے ساتھ ہے۔ اور جو خارق عادت اسباب کے ساتھ وابستہ ہے اور جو ایسے حیرت انگیز طریقہ سے ظہور پذیر ہوتا ہے کہ اسمیں انسانی جدوجہد کا دخل اتنا نہیں جتنا اسکے محض فضل کا ہوگا۔ اس لئے نفس مضمون کے عین تقاضا کے مطابق نفس نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اور اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا کہہ کر مسلمانوں کے بعث ثانی کیطرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی جس کا ظہور مسیح موعود کی بعثت کیساتھ وابستہ ہے ✦

احمدی مسیح موعود کی جماعت کا امتیازی نشان اور اس کی تطبیق

اب سورۃ صف کی آیت وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ کے مضمون کی طرف عود کرتے ہوئے میں اس امتیازی نشان کی طرف آپکی توجہ منعطف کرنی چاہتا ہوں جس سے اس مضمون کی حقیقت اور حقانیت پر مزید روشنی پڑتی ہے مگر یہ مضمون ذرا نازک ہے اور اسکے سمجھنے کے لئے آپ میں سے ہر ایک کا اپنے دل میں ان جذبات کو ٹٹولنے اور محسوس کرنیکی ضرورت پیش آئیگی جن کی بناء پر اللہ تعالیٰ ایک عظیم الشان بشارت دیتے ہوئے ہمیں اپنے فضل عظیم سے تمام دنیا جہان پر ایک امتیاز بخشتا ہے اور وہ سب سے بڑا امتیاز ہے۔ اتنا بڑا کہ میں بغیر ادنیٰ شک و تردد محسوس کئے اور بغیر ذرہ بھر مبالغہ سے کام لینے کے پورے وثوق اور کامل یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ صحابہ رض کو بھی باوجود تمنا کرنیکے نہیں ملا۔ اور اُن سے یہ کہا گیا وَاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا[۵] درانحالیکہ آپکو اس اُخریٰ تحبونہا کے ساتھ بظاہر کوئی دور کی نسبت بھی نہ تھی یہانتک کہ اب بھی جب کہ منزل مقصود سے کچھ کچھ دکھائی بھی دینے لگی ہے آپکے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ یہ اُخریٰ تحبونہا کیونکر میسر ہوگی

(بقیہ حاشیہ) کا دجالی فتنہ اپنے عروج پر ہوگا تب وہ اپنی امت کے مفاسد کی روک تھام کے لئے اپنے مثیل کی بعثت کا تقاضا کریں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت بھی اسلام کے اندرونی مفاسد کے غلبہ کے وقت ہمیشہ ظہور فرماتی رہتی ہے۔ اور حقیقت محمدیہ کا حلول کسی کامل متبع میں ہو کر جلوہ گر ہوتا ہے ✦

اور یہ جو احادیث میں آیا ہے کہ مہدی پیدا ہوگا اور اس کا نام میرا نام ہوگا۔ اس کا خلق میرا خلق اگر یہ حدیثیں صحیح ہیں تو اسی نزول روحانی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ گویا مسیح موعود ایک اعتبار سے مسیح کا بروز ہوگا۔ اور دوسرے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو آئینہ کمالات اسلام)

[۵] دجال کے قتل کی خواہش جب صحابہ کرام میں سے حضرت عمرؓ نے کی تو آنحضرت نے آپ سے فرمایا لَا تَسَلَّطُ عَلَيْهِ لَسْتَ صَاحِبَهٗ

فضلِ عظیم کا مالک خدا آپکو آپکی محبوب شئے قرار دیتے ہوئے اسکی بشارت دیتا ہی۔ آپ ہی اپنے دلوں سے پوچھیں کہ اس احمد کے نفحاتِ مسیحائی کے طفیل آپکے دلوں میں کسی چیز کی خواہش و محبت پھونکی گئی ہے۔ وہ کیا چیز ہے جو آج غیروں کے سینوں میں نہیں مگر آپکے سینوں میں ہی۔ کیا یہ سچ نہیں کہ آج ایک احمدی کا دل اس اضطراب میں ہی کہ مسیحیت کے دجل نے اُس الٰہی مقدس رابطہ کو بنی نوع انسان کے دلوں سے منقطع کر دیا ہے جو انکی روحانیت کے لئے بطور شاہ رگ کے ہی اور وہ اس فکر میں اُٹھا ہے کہ اِس دجل کا مقابلہ کیا جائے تا بنی نوع انسان مخلصی پا دیں۔ اور کیا یہ سچ نہیں کہ آج جبکہ مسلمانوں کی نبضیں چھوٹ گئی ہیں ایک احمدی کی رگِ حیات پھڑک رہی ہے اِس امید اور امنگ میں کہ تمام قومیں دینِ اسلام میں داخل ہوں۔ اگر یہ سچ ہے اور آپ کے دل گواہی دیتے ہیں۔ کہ سچ ہے تو یقیناً آپ ہی وہ جماعت ہیں جن کیطرف اُخرای تحبّونہا کا روئے سخن ہے۔ آپ ہی وہ جماعت ہیں جس کے ساتھ اس عظیم الشان نصرت کے وعدے وابستہ ہیں جس کی بڑی علامت یہ ہے کہ تمام قوموں میں **اسلام کی مُنادی ہوگی۔ اور وہ بالآخر محمد** صلے اللہ علیہ وسلم کی آسمانی بادشاہت میں داخل ہونگی اور نبیوں کا یہ نوشتہ پورا ہوگا۔ "دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا اور میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہی میں نے اپنی روح اسپر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت کو جاری کرائیگا کہ دائم رہے اُسوقت تک اسکا زوال نہوگا اور نہ مسلا جائیگا۔ جبتک کہ راستی کو قائم نہ کرے اور بحری ممالک اسکی شریعت کی راہ تکیں" (یسعیاہ ۴۲: ۱-۴) اور آپ ہی وہ جماعت ہیں جن کے ہاتھوں دجالِ اکبر کا خاتمہ ہو کر عدوّ اللہ پر ایک کامل غلبہ حاصل ہوگا۔

پس اُخرای کتنی بے بہا نعمت ہی جس کی صحابہؓ تمنّی کرتے رہے مگر وہ انہیں نہ ملی اور آپکو مل رہی ہے اِس ایک شرط پر کہ تحبّونہا یعنی اسکے حاصل کرنیکے لئے محبت اور عشق کے جذبات لئے ہوئے مقدس جہاد کے واسطے کھڑے ہو جاؤ۔ محض تمنّا اور آرزو ہی نہیں بلکہ دلوں میں اسکے حصول کیلئے ایک ایسا عشق ہو جو اس راہ میں عزیز سے عزیز چیز کی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔ اور وہ عظیم الشان نصرت اور غلبہ حاصل کرنے کے لئے ہم میں والہانہ عشق کا جذبہ پیدا ہو۔ اسکے بغیر نہ ہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں اُخرای تحبّونہا کے اہل ٹھہر سکتے ہیں اور نہ دنیا کے سامنے اپنا سر بلند رکھتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ سورۃ صف کی ان بشارتوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں منتخب کیا ہی۔ ان آیات کی یہ تشریح اور تطبیق ساری کی ساری بے معنی اور بے مغز ہوگی جبتک کہ تمام قوموں کو دینِ اسلام میں داخل کرنیکے لئے آپکی تبلیغ میں عاشقانہ انداز پیدا نہ ہوگا۔ اگر دجالی طلسم کو کاری ضرب لگانیکے لئے ہماری طرف سے

عاشقانہ جذبہ نہیں تو غیر کیا خود ہمارے ہی دل سورۃ صف کی آیات کو اپنے اوپر چسپاں کرتے ہوئے شرمائینگے۔ اسی لئے میں نے آخری تجویز نصر من اللہ وفتح قریب کی تشریح کرنے سے پہلے کہا ہے کہ مضمون کا یہ حصہ بہت نازک ہے اور اسکی تطبیق کے لئے اپنے نفس میں عاشقانہ رنگ پیدا کرنیکی ضرورت ہے۔

پانچواں قرینہ قوبہ اسمہٗ احمد سے مسیح موعود کے مراد ہونے کا

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآىٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآىٕفَةٌۚ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ۠ ۔ اے وے لوگو جو ایمان لائے ہو تم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریمؑ نے حواریوں سے کہا تھا اللہ کے لئے میرا کون مددگار ہوگا؟ حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا۔ تو ہم نے ان لوگوں کی جو ایمان لائے تھے انکے دشمن کے مقابلہ پر مدد کی جس سے وہ غالب ہو گئے۔ ظہر کے معنے نیچے سے اوپر آنا۔ یعنی پہلے وہ مغلوب تھے پھر غالب آگئے۔

فصل الخطاب

سورۂ صف کی یہ آخری آیت ہے اور اسکا روئے سخن بھی ایسے ہی مومنوں کیطرف ہے جو اپنی مغلوبیت میں بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں موسیٰؑ کے زمانہ کے بنی اسرائیلیوں سے نہیں بلکہ اُن بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں جو حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں تھے جبکہ وہ دشمن کے ہاتھوں پامال ہو کر تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ اسی لئے اس آیت میں ان مثیلانِ یہود مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ تم بھی عیسےٰ ابن مریمؑ کی سی آواز کونوا انصار اللہ پر حواریوں کیطرح نحن انصار اللہ کہتے ہوئے لبیک کہنا۔ اس لبیک کہنے کا نتیجہ وہی ہوگا جو پہلے ہوا تھا۔ تمہارا ایمان تازہ ہوگا زندگی بخش ایام پھر عود کر آئیں گے۔ تمہارا دشمن تمہارے ہاتھوں پامال ہوگا۔ اور اگر لبیک نہ کہا تو تم بھی ویسے ہی کفر کی موت مروگے جیسے بنی اسرائیل کا وہ گروہ مرا تھا جس نے مسیحؑ کی آواز پر لبیک کہنے سے انکار کر دیا تھا۔ نہ موسیٰؑ کا کلمہ پڑھنے نے انہیں کوئی فائدہ دیا۔ اور نہ توریت پر ایمان رکھنے نے انہیں کفر سے نجات دلائی۔ اور نہ انکی نمازیں انکے کسی کام آئیں دشمنوں کے ہاتھوں ہمیشہ خستہ حال و زار و نزار رہے۔ یہ خلاصہ ہے اس مضمون کا جس کیطرف سورۃ صف کی آخری آیت ہمیں متوجہ کرتی ہے۔ اور اس خاتمہ سے صفائی کیساتھ ظاہر ہو جاتا ہے کہ سورۃ صف کا روئے سخن صحابہ کرامؓ کیطرف نہیں بلکہ ایسے مسلمانوں کی طرف ہے جو اپنی گری ہوئی حالت میں حضرت عیسےٰؑ کے زمانے کے بنی اسرائیل سے مشابہ ہونگے اور کما قال کے الفاظ بھی مزید وضاحت کیساتھ بتلا رہے ہیں کہ ان مسلمانوں کو انکی گری ہوئی حالت

سے اٹھانیکے لئے خود حضرت عیسیٰؑ نہیں تشریف لائینگے بلکہ انکی سی ایک آواز انہیں بیدار کریگی۔ اور اس مسیحؑ جیسی آواز پر حواریوں کیطرح انہیں بھی لبیک کہنا ہوگا۔ پس اس مثیل مسیحؑ کی آمد کی پیشگوئی کا حال معلوم ہوجاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے مَنْ انصاری اِلی اللہ کب کہا تھا؟

تنازع کفر و اسلام کے متعلق الٰہی فیصلہ

قرآن مجید اس سوال کا جواب دیتا ہے۔ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْھُمُ الْکُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَاشْھَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (آل عمران ۵۳) جب عیسیٰؑ نے انمیں کفر کی علامتیں پائیں تو انہوں نے کہا کہ ان لوگوں کو اللہ کیطرف رجوع کرنیکے لیئے کون میرا مددگار ہوگا؟ سورۃ صف کی اُس آخری آیت سے ضمناً یہ بھی پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو بھی مسیحؑ کی سی آواز اسوقت دعوتِ ایمان دیگی جبکہ انمیں کفر کی علامتیں پائی جائینگی فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَۃٌ ط اور جس طرح حضرت مسیح ناصری کی آواز پر لبیک کہنے کیوجہ سے ایک گروہ مومن ہوگیا اور دوسرا گروہ باوجود اللہ تعالیٰ۔ حضرت موسیٰؑ اور توریت پر ایمان رکھنے کے حضرت مسیحؑ کو نہ ماننے کیوجہ سے کافر قرار دیا گیا۔ اسی طرح نام نہاد مسلمانوں کا بھی حشر ہوگا ؂

غرض سورۃ صف کی آخری آیت جہاں اسمہٗ احمد کی پیشگوئی کے منطوق کے مطابق مثیلِ مسیحؑ کی بعثت کیلئے بطور فصل الخطاب کے ہے وہاں ان لوگوں کے کفر و اسلام کو بھی قطعی طور پر حل کردیتی ہے جو اس مثیل کے ماننے یا نہ ماننے کو بنظر اہمیت نہیں دیکھتے۔ یعنی اس آیت شریفہ نے حواریان مسیحؑ کے دعوے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ واشھد بانا مسلمون کی صحت پر فَاٰمَنَتْ طَآئِفَۃٌ من بنی اسرائیل کہہ کر مہرِ تصدیق ثبت کردی اور کَفَرَتْ طَّآئِفَۃٌ کہہ کر آپکے نہ ماننے والوں کے کفر پر۔ اور اس فتویٰ الٰہیہ سے ہمارے اِس جھگڑے کا فیصلہ بھی بیّن الفاظ میں ہوجاتا ہے جو مدّت سے احمد مسیح موعودؑ اور اسکے منکرین کے درمیان چلا آرہا ہے۔ کہ ان دونوں میں سے کونسا فریق دائرہ اسلام میں ہے۔ آیا احمد اور اس کے متبعین یا اسکے منکرین؟ آخری زمانہ میں اسلام کے صحیح ہونے کا معیار ہی صرف یہ بات قرار دیگئی ہے کہ حواریوں کیطرح مسیحؑ کی سی آواز پر لبیک کہا جائے۔ اور اسمیں کیا شبہ ہوسکتا ہے کہ انبیاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے ایمانوں کے کھرا یا کھوٹا ہونے کی کسوٹی بن کر آتے ہیں[1]۔ پس اگر مسیح ناصری یہود کے ایمان پرکھنے کی کسوٹی تھے تو مسیح محمدی مسلمانوں کے ایمان پرکھنے کے لئے ضرور کسوٹی ہیں ؂

غرض سورۃ صف کی پہلی اور درمیانی اور آخری آیات ایک ہی فتوے سی شدید سے شدید انداز کے ساتھ مسلمانوں کو مخاطب کرتی ہیں پہلی آیت سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وحی الٰہی کی تجلیات

[1] اس سارے رکوع میں ایمان اور اسلام کی کسوٹی اللہ تعالیٰ نے اس بات کو قرار دیا ہے کہ کوئی مبعوث ہونیوالے کو کہاں تک تسلیم کرتا ہے؟ یہاں تک کہ انبیاء سے عہد اقرار لیا ہے کہ اگر انکے زمانہ میں کوئی رسول آجائے جو مصدق لما معکم کا مصداق ہو تو انہوں نے [illegible]

کے کلّی طور پر بند ہو جانیکا ذمہ وار مسلمانوں کو ٹھہراتی اور انکے مومن کہلانے کے دعوے کو تسلیم نہیں کرتی بلکہ ان کی بدعملی کیوجہ سے نہیں بہت ہی بڑے غضب الٰہی کا مورد اور قوم موسےٰ کیطرح ایک بد عہد قوم قرار دیتی ہے۔ درمیانی آیات انکی کج رفتاری کیوجہ نہیں خارج از اسلام کہتے ہوئے احمد موعود کی دعوت اسلام کا اسی طرح مخاطب ٹھہراتی ہیں جیسے یہود اور نصارےٰ اور دیگر مشرکین کو بلکہ انہیں خصوصیت کے ساتھ نئے سرے سے ایمان لانیکی تلقین فرماتی ہیں۔ اور پھر آخری آیت ان پر وہی فتویٰ چسپاں کرتی ہے جو بنی اسرائیل پر حضرت مسیح کو نہ ماننے کیوجہ سے عائد کیا ہوا تھا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ کے کلمات سے جہاں مسیح موعود کے ماننے والوں کو فتح و نصرت اور دشمن پر غالب آنیکی بشارت دیتی ہے وہاں ان مسلمانوں کو جو مسیح موعود کے منکر ہیں یہودیوں کیطرح ہمیشہ اپنے دشمن سے مغلوب رہنے کے بارہ میں ایک واضح پیشگوئی کرتی ہے۔ سورۃ صف کا یہ نظم و نسق اور اسکی ترتیب محکم اپنے اندر ہر پہلو سے ایک اعجازی نشان رکھتی ہے اس بات کیلئے کہ قرآن مجید علامُ الغیوب اور قادر مطلق خدا کا کلام ہے انسان کا کلام نہیں۔ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (قصص: ۵۱) ہم نے انکے لئے بات پوری ترتیب اور تسلسل کے ساتھ بیان کر دی ہے تا وہ نصیحت حاصل کریں۔

سورۂ صف میں بیس زبردست پیشگوئیاں

انسانی علم اور کلام اسقدر دور دراز زمانوں کی خبروں کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جیسا کہ سورۂ صف کی مفصلہ بالا تشریحات سے واضح ہوتا ہے اسمیں آئندہ کی ایک یا دو خبریں نہیں جو محض انسانی قیاس کا نتیجہ قرار دیدی جائیں بلکہ بیس مہتم بالشان امور کے متعلق ایسی حیرت انگیز پیشگوئیاں ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے :-

۱- پہلی پیشگوئی یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ تسبیح کے بعد پھر ایک ایسا زمانہ فترت آئیگا جو انتہائی مفاسد کا جولانگاہ ہوگا۔ **۲**- دوسری پیشگوئی یہ ہے کہ اسمیں مسلمانوں کی یہ حالت ہو جائیگی کہ نام کے تو وہ مسلمان ہونگے مگر اپنے کردار سے فاسق و فاجر ہونگے۔ **۳**- تیسری پیشگوئی یہ ہے کہ وہ فرقہ در فرقہ ہو کر اپنی مایہ ناز وحدت کھو بیٹھیں گے۔ **۴**- چوتھی پیشگوئی یہ ہے کہ اسوقت وہ اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے غضب کے نیچے ہونگے جس میں انکی حالت یہود کی سی ہو جائیگی۔

۵- پانچویں پیشگوئی یہ ہے کہ مسلمانوں کے گھناؤنے عقائد اور گندے اعمال کی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر حملے ہونگے اور آپ کے مبارک نام پر بٹہ لگایا جائیگا۔ **۶**- چھٹی پیشگوئی یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں جو اسلام اسوقت ہوگا وہ حقیقی نہ ہوگا۔ جیسے ان کے اعمال احکام شریعت کے خلاف ہونگے ویسے ہی انکے دل کے خیالات بھی جادۂ صواب سے منحرف ہونگے

۷ - ساتویں پیشگوئی یہ ہی کہ ایسی نازک حالت میں خدا تمثیل مسیح کو بھیجکر اسی طرح مسلمانوں کی
یاوری فرمائیگا جس طرح مسیح کے ذریعہ یہود کی فرمائی تھی ۞ ۸ - آٹھویں پیشگوئی یہ ہی کہ اس مثیل
کی آمد حضرت مسیح کی اُس بشارت کا مصداق ہوگی جو مسلمانوں کیلئے مخصوص ہی ۞ ۹ - نویں
پیشگوئی یہ ہی کہ مسلمانوں کے اس موعود کا نام احمدؐ ہوگا۔ اور امتِ محمدیہ میں سی ایک فرد
ہوگا۔ اور شریعت اسلامیہ کا اسی طرح تابع ہوگا جس طرح حضرت مسیح موسوی شریعت کے تابع تھے ۞
۱۰ - دسویں پیشگوئی یہ ہی کہ وہ موعود آکر اُن تمام اعتراضوں کو دور کریگا جو آنحضرت ؐ کی ذات
پاک پر مسلمانوں کے مکروہ خیالات کیوجہ سے عائد کیے گئے ہونگے ۞ ۱۱ - گیارہویں پیشگوئی یہ
ہی کہ وہ آنحضرت صلعم کی انتہائی حمد کرنیوالا ہوگا۔ اور ایسی تعریف کریگا کہ اس سے پہلے آپکی امت
میں اس جیسا تعریف کرنیوالا کبھی نہ ہوا ہوگا ۞ ۱۲ - بارہویں پیشگوئی یہ ہی کہ اسے ایسے بینات
دئے جائیں گے۔ اور وہ ایسا شیریں بیان ہوگا کہ دشمن بھی اقرار کرے اور کہہ اٹھیگا کہ یہ جادو
بیان ہی ۞ ۱۳ - تیرہویں پیشگوئی یہ ہے کہ وہ احمد مسلمانوں کو بھی حقیقی اسلام کی دعوت
دیگا اور غیر مسلموں کو بھی۔ اور وہ خدا سے سیکھے گا۔ اور وہ مہدی ہوگا ۞ ۱۴ - چودہویں
پیشگوئی یہ ہی کہ اسوقت مخالف طاقتیں اسلام کے مٹانیکے درپے ہونگی اور وہ احمدؐ
ان کا مقابلہ کریگا ۞ ۱۵ - پندرہویں پیشگوئی یہ ہے کہ اُس احمد کے ذریعہ باطل کا زور ہمیشہ
کے لئے ٹوٹ جائیگا۔ حق کی فتح ہوگی۔ اور دنیا کے تمام مذاہب پر اسلام کو کامل غلبہ حاصل
ہوگا ۞ ۱۶ - سولھویں پیشگوئی یہ ہی کہ مسلمان جو اُسوقت عذاب الیم میں مبتلا ہونگے وہ
اُس احمدؐ کے ذریعہ سے مخلصی پائیں گے ۞ ۱۷ - سترہویں پیشگوئی یہ ہی کہ اُس
احمدؐ کے ذریعہ سے مسلمانوں کی چھنی ہوئی دینی و دنیوی بادشاہت انہیں واپس ملے گی اور
وہ دائمی ہوگی ۞ ۱۸ - اٹھارہویں پیشگوئی یہ ہی کہ احمدؐ کی دعوت کے ذریعہ سے مسلمانوں
کے ایمان کی تجدید ہوگی اور وہ ایک نئے جہاد کیلئے کھڑے ہونگے جس کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام
قومیں جوق جوق اسلام میں داخل ہونگی۔ اور دوسرا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دجال تباہ و برباد ہوگا ۞
۱۹ - اُنیسویں پیشگوئی یہ ہی کہ اُس احمدؐ کے ماننے والوں کو اپنے مخالفین پر اسی طرح ہمیشہ
کے لئے غلبہ حاصل ہوگا جس طرح کہ مسیح کے ماننے والوں کو یہودیوں پر ہوا ۞ ۲۰ - بیسویں
پیشگوئی یہ ہی کہ اس احمدؐ کے منکرین ہمیشہ یہودیوں کی طرح غیر قوموں سے پامال رہیں گے
اور یہ سزا عبرت کا نمونہ ہوگی ۞

یہ بیسیوں پیشگوئیاں ہیں جو اپنی تفصیلات کے رو سے نہایت ہی اہم ہیں۔ اور انہیں سے ایک بات بھی نہیں جو بالواسطہ آنحضرتؐ کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہو۔ بجز اسکے کہ کوئی آنکھیں بند کرکے یہ کہدے کہ سورۂ صف میں یاایّہا الذین آمنوا سے مراد مسلمان نہیں بلکہ بنی اسرائیل ہیں۔

ایک آخری اعتراض کا جواب

اور اسی طرح کی بودی تاویلیں پیش کرکے جہاں اپنے بگڑے ہوئے مذاق کا ثبوت دے اسکے ساتھ سورۂ صف کی الہامی شان و معجزانہ بیان کو بھی اپنی بلندیوں سے گرادے۔ قرآنمجید میں کہیں بھی یہودیوں یا عیسائیوں کو یاایّہا الذین آمنوا کہہ کر نہیں پکارا گیا۔ بلکہ اس خطاب سے ہر جگہ اور ہمیشہ مسلمان ہی مراد لئے گئے ہیں خواہ وہ سچے مسلمان ہوں یا نام کے۔ غرض کسی قسم کی تاویل بھی اس آشکارا حقیقت کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی کہ سورۂ صف میں روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے نہ اہل کتاب کیطرف۔ اور تمام کی تمام آیات ہمارے زمانہ سے متعلق ہیں نہ کسی اور زمانہ سے۔ اور اسمہٗ احمد کا مصداق وہ مسیح موعود ہے جو عین وقت پر اور اپنے تمام نشانوں کے ساتھ ظاہر ہوا تا مسلمانوں کو ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ کی شفقت بھری ندا سنائے۔ یہ صدائے دردانگیز مسلمانوں ہی کی دوبارہ نجات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے نہ یہودیوں کی نجات کے ساتھ۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ میں جس تجدید ایمان اور نئے جہاد کی یقینی امید قائم کی ہے وہ مسلمانوں سے ہی کی ہے نہ بنی اسرائیل سے۔ اور جن جنّاتِ عدن اور مساکن طیبہ کا یہاں وعدہ دیا گیا ہے وہ مسلمانوں کی ہی کھوئی ہوئی بادشاہت ہے جس کے متعلق سورۂ کہف کے ابتداء میں بھی مَاکِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا کے الفاظ سے مومنین کو بشارت دی ہے۔ عدن اور ماکثین فیہ ابدًا کے ایک ہی معنے ہیں۔ اور دونوں کا تعلق دجال کے زمانے کے مسلمانوں کیساتھ ہے جو نئے سرے سے ایمان لائیں گے اور جہاد کے لئے کھڑے ہونگے جیسا کہ حضرت مسیحؑ کی بشارت کا ماحصل ہے مسلمان ہی قوم یہود کی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نیک نامی میں خلل ڈالنے والے تھے۔ اور مسلمانوں ہی کا احمد اس خلل کو دور کرنیوالا تھا۔ اور وہ خلل اسنے آکر دُور کیا۔ اور اپنے عاشقانہ ترانوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تعریف کی جسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ اور جو با وجود اسکے کہ بالکل حقیقت پر مبنی ہے اپنے والہانہ انداز میں اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ مجنوں جیسے عاشق مزاج

لہ یہ عجیب بات ہے کہ اس مخصوص اسلوب خطاب سے قرآن مجید میں کہیں بھی صحابہؓ کو مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ صرف اسی سورۃ میں تؤمنون و تجاہدون کے الفاظ اس مخصوص پیرایہ میں وارد ہیں جس سے تحقیق اور امید کا مفہوم پایا جاتا ہے اور مضارع معنی طلب کا صیغہ اختیار کرکے پیشگوئی کے رنگ میں کہا گیا ہے کہ تم نئے سرے سے ایمان لاؤ گے اور جہاد بھی کرو گے۔

انسان کو بھی اپنی لیلیٰ کی تعریف میں وہ انداز نہیں سوجھا۔ اور محمد ﷺ کے لئے یا احمد
اپنی عاشقانہ پرواز میں اُن انتہائی بلندیوں تک پہنچا ہے کہ آجتک آپکی امت میں سے کسی
عاشق کو یہ پرواز نصیب نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلعم کے لئے جذبات محبت و گداز کی انتہائی گہرائی
میں اگر کسی کو پہنچنے کی توفیق ملی ہے تو وہ یہی ایک احمد ؑ ہے جس نے اپنے آپکو اپنے نام
سے اور اپنے کام سے اِسْمُهٗۤ اَحْمَدُ کی پیشگوئی کا مصداق ٹھہرایا ہے ؁

اِسمہٗ احمد کے مضمون کا یہ تطبیقی پہلو ایک مستقل حصہ ہے جسے میں کسی دوسرے موقعہ
کے لئے چھوڑتا ہوں۔ یہ تفصیلات چاہتا ہے۔ اور جبتک مقابلہ اور موازنہ کر کے نہ دکھلایا
جائے۔ یہ حصہ مضمون اپنی پوری شان و شوکت کیساتھ واضح نہیں ہوگا۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے
دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اسکی بھی توفیق عطا فرمائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کیا باعتبار اپنے نام کے اور کیا باعتبار اس عظیم الشان کام کے کہ جسکی
بنیاد چودھویں صدی کے امام حضرت احمد مسیح موعود علیہ السّلام کے مبارک ہاتھوں سے رکھی
گئی ہے۔ صرف ایک آپ ؑ ہی درحقیقت سورۃ صف کی پیشگوئیوں کے مصداق ہیں اور کوئی
نہیں۔ مذکورہ بالا یقینی تشریحات کی روشنی میں میری طرف سے یہ ایک چیلنج ہے۔ کوئی
ہے جو اسے منظور کرے ؁ وَدُوْنَهٗ خَرْطُ الْقَتَادِ ؁

زین العابدین ۔ ہاؤس بوٹ سٹار لائف سرینگر

دیوان پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام بشیر احمد عیطی پرنٹر چھپا۔